

شجر کاری کے فوائد

شریعت اور سائنس کے آئینے میں

تصنیف:

شیخ الحدیث علامہ نور محمد صاحب شہید نور اللہ مرقدہ

Ketabton.com

ترتیب: مولانا ڈاکٹر تاج محمد حقانی

خطیب جامع مسجد مہتمم جامعہ دارالعلوم وزیرستان وانا



شجر کاری شریعت اور سائنس کے آئینے میں

فہرست

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
1	صالحین کی ابتلاء کیوں؟	
2	دنیا اور آخرت کی نعمتوں میں فرق	
3	آج کے مسلمان اور کافر کا تقابلی موازنہ	
4	کفار کی ترقی اور مسلمانوں کی پسماندگی کے دور رس نتائج	
5	مسلمانوں کی موجودہ ابتری کے اسباب اور اس کی تلافی	
6	وہ گناہ جس کی پاداش میں آج مسلمان خوار و ذلیل ہیں	
7	امت مسلمہ کا اجتماعی گناہ	
8	باغات کی اہمیت	
9	نسلی انسانی کیلئے منشور ابراہیمی علیہ السلام	
10	دعائے ابراہیمی سے ثابت شدہ امور	
11	ابراہیم علیہ السلام کے نقش قدم پر چلنا حضور علیہ السلام سے سیکھ لیجئے	
12	شجر کاری اور زراعت کے مختلف النوع فضائل	

13	دنیا میں باغات لگانے والوں کیلئے اللہ تعالیٰ بہشت میں باغات تیار کرتا ہے
14	مرنے سے پہلے کرنے کا کام شجر کاری ہے
15	قیامت قائم ہونے سے پہلے کرنے کا کام
16	چند لمحات میں بے حساب ثواب حاصل کرنا
17	شجر کاری کے فضائل کی اجمالی فہرست
18	حضور علیہ السلام نے اپنے دست مبارک سے ۳۰۰ پودے لگائے ہیں۔
19	دنیا کے میوے بہشت کے میووں کی شبیہ اور یادگار ہیں
20	باغبانی اور شجر کاری باعث خیر و برکت ہے
21	فضائل کسب حلال
22	بعض گناہ حلال مزدوری کے سوا کسی عبادت سے معاف نہیں ہوتے
23	حلال دولت کمانے کیلئے سفر راہ خدا میں جہاد کے سفر سے افضل ہے
24	حلال کمائی کیلئے زمین کے کونوں تک جا پہنچنا نہ صرف جائز بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے

25	حضرت ﷺ نے ایک مزدور کے کھر درے خاک آلودہ ہاتھوں کو چوم کر کیا بشارت دی؟
26	قرآن کریم کا فرمان، کاشتکاری کے بارے میں
27	زمین کی مقبوضات میں کمی اور بیشی کا راز
28	ایک مثال اور مشاہدہ
29	فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص کا ریکارڈ باغ
30	باغبانی اور کاشتکاری کیلئے گھر سے نکلنا راہ خدا میں نکلنا ہے۔
31	اہل و عیال کیلئے نان و نفقہ اور ضروریات زندگی ذخیرہ کرنے کا حکم
32	شریعت میں متوکل اور تیار خور کا حکم
33	مفت خوردونوں جہانوں میں خوار
34	مفت خور عبادت گزار سے محنت کش مسلمان افضل ہے
35	آسمان کی طرف سے رزق اور آسمانی فیصلوں کی اقسام
36	آج مسلمانوں کے مذہبی حلقے بھی تیار خوری کا باعث بنتے جا رہے ہیں
37	آخر زمانے میں انسان کیلئے مفید تر چیز کون سی ہوگی؟
38	حضرت سفیان ثوری کا مقام اور شخصیت

39	باغات میں اعلیٰ ترین پودے لگانا شرعاً مطلوب ہے
40	کسب و صنعت میں کمال پیدا کرنے والے کیلئے حضور ﷺ کی دعا
41	درخت بھی انسان کا قدیم ترین محسن اور وفادار دوست ہے
42	انسانیت کی موجودہ ترقی میں درخت کا کردار
43	سائنسدانوں کا نظریہ
44	درخت اور سبزہ زار زندگی کیلئے روح رواں ہے
45	انسان اور حیوان کی آکسیجن خرچ کرتے ہیں اور ہوا کی آلودگی میں کتنا اضافہ کرتے ہیں
46	سائنسی ایجادات کی آلودگی ماحولیات
47	درخت آکسیجن پیدا کرنے اور آلودگی ختم کرنے کے قدرتی کارخانے ہیں
48	درخت طوفانی ہواؤں کیلئے بریکر ہیں
49	درخت طوفانی سیلابوں اور بارشوں سے قدرتی حصار ہے
50	جنگلات باران رحمت اپنی طرف کھینچتے ہیں
51	ازروئے شریعت درختوں کا تحفظ اور زمین کی اہمیت
50	تحفظ حیوانات کے متعلق اسلامی تعلیمات

	51	موذی نقصان دہ حیوانات کی تخلیق کی حکمت
	52	ایک سبق آموز لطیفہ
	53	حضرت نوح علیہ السلام اور تحفظ حیوانات
	55	منشور ابراہیمی اور تحفظ حیوانات
	56	جملہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے اپنے علاقوں میں حیوانات کو تحفظ دیا ہے
	57	حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی شخصیت
	58	طائف کا محفوظ علاقہ
	59	پرندوں اور دیگر حیوانات کی منفعت اور اہمیت
	60	حضرت سلیمان علیہ السلام کا سفیر ”ہد ہد“
	61	تیشہ دار پرندہ
	62	کوہ اور انسانیت پر اس کا احسان
	63	کوئے کی مثالی حیا اور ادب
	64	کوہ اور کھیتی باڑی
	65	الو اور چوہے
	66	الو کی امتیازی خصوصیات

	سانپ اور چوہے	67
	چمگاڈڑ اور اس کی خدمت	68
	ایک دلدوز منظر	69
	حیوانات ماحول کو پاک رکھتے ہیں	71
	پودوں میں نر اور مادہ اور ان کی شادی بیاہ	72
	مکئی کا پودہ اور عجائبات قدرت	73
	قدرتی کی موسیقی	74
	بے رنگ و بو پودے اور ان کی شادی بیاہ	75
	پشتون قوم کی معکوس ذہنیت	76
	پرندوں میں نقصانات بھی ہیں مگر فوائد کی نسبت بہت کم	77
	چینیوں کی پرندوں کے خلاف مہم اور اس کا نتیجہ	78
	چند اشکالات اور ان کا حل	79
	مال و دولت کی برائی اور اچھائی میں خط امتیاز	80
	ایک فقہی تحقیق	81
	کھیتی باڑی کی مذمت حدیث سے ثابت ہے	82
	نیم ملاحظہ ایمان	83

84	ان پڑھ سننے والے جب فتویٰ دینے لگتے ہیں تو فساد پھیلاتے ہیں
85	زارعون اللہ ہی کی صفت ہے
87	دنیا کمانے کی نیت سے بھی زمین آباد کرنا عبادت اور ثواب ہے
88	زمین کو غیر آباد چھوڑنا بہت بڑا گناہ ہے
89	کم پیداوار اور آمدنی کے جرم کی صورت میں قیامت کے دن باز پرس ہوگی
90	زمین کی پیداوار میں یورپ خود کفیل اور مسلمان گداگر کیوں؟
91	زمین اور باغات ایک سال بار آور اور ایک سال بے بر کیوں؟
92	کسان اور باغبان کی حقیقی کامیابی کا ایک اہم اصول
93	تقویٰ کی حقیقت
94	زمین کی حاصلات میں حصہ خدا
95	عشر و زکوٰۃ خرچ کرنے کا مسنون اور افضل طریقہ
96	موجودہ دور میں عشر و زکوٰۃ کس طرح خرچ کی جائے
97	فرق واریت ہے سیاست میں مگر بدنام علماء ہیں
98	عشر و زکوٰۃ کی ادائیگی کی صحت الگ چیز ہے اور قبولیت الگ ہے

99	مزارع اور مزدور کو زکوٰۃ دینے کی رسم
100	کیا اسلامی مدارس پر زکوٰۃ و عشر کی رقم خرچ کرنا جائز ہے؟
101	اسلام مسلمانوں کو اپنی مدد آپ کی تعلیم دیتا ہے
102	عمر فاروقؓ کا ایک سبق آمیز واقعہ
103	حقیقی ہمدردی
104	ناواقفوں کی ہمدردی مسلمانوں کی بربادی
105	دینی خدمات کی ادائیگی میں علماء کرام کو تبلیغی جماعت کی نقل کرنا چاہیے
106	ایک علاقے کا عشر اور زکوٰۃ دوسرے علاقے میں نہ بھیجنے کی حکمت
107	علماء کرام کے بارے میں ایک غلط فہمی کا ازالہ
108	خولش و اقارب پر زکوٰۃ و صدقات صرف کرنے کے آداب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سخمہائے گفتنی

بنی نوع انسانی بنیادی طور پر دو گروہوں میں تقسیم ہیں۔ ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور اقتدار اعلیٰ کے باغی اور منکر ہیں اور ان کا امتیازی نام کافر ہے۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو کفار کے برعکس اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور اقتدار اعلیٰ کو بدل و جان تسلیم کرتے ہیں اور اسکے وفادار ہیں ان کا امتیازی نام مسلمان ہے۔ عقل اور نقل اس بات کے گواہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں جہانوں کی نعمتیں، آسائشیں، عزتیں اور خوشحال زندگی اصالتاً اپنے دوستوں اور وفادار بندوں کیلئے ہی پیدا کی ہیں۔ البتہ اس دنیا میں وفاداری کا ثبوت پیش کرنے کیلئے مسلمان قوم کو ابتلاء اور امتحان کی بھٹی سے گزرنا پڑتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلَنبَلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ

الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ .

”اور میں ضرور تمہارا امتحان لوں گا تھوڑا سا خوف، بھوک اور

جان و مال اور میوہ جات کی کمی کے ساتھ (اور ان عارضی اور وقتی تکلیفات

پر) صبر کرنے والوں کو (دائمی خوشحالی کی) بشارت دو“
دوسری جگہ ارشاد ہے۔

واذابتلی ابراہیم ربہ بکلمات فاتمہن ، قال انی
جاعلک للناس اماما .

” جب ابراہیم کا اس کے رب نے چند باتوں کے ساتھ امتحان
لیا، تو اس نے ان باتوں کو پورا کر دیا (تب) اللہ نے فرمایا کہ میں تجھے
لوگوں کیلئے امام اور لیڈر اور قائد بنانے والا ہوں

صالحین کی ابتلاء کیوں؟

انبیاء علیہم السلام اور نیک بندوں کی عارضی تکلیفات کا مطلب
ہرگز یہ نہیں کہ مسلمان پیدا ہی اس لئے ہیں کہ اس نے اس دنیا میں ذلت و
خواری کی زندگی گزارنا ہے جیسے بعض سادہ لوح مسلمان انبیاء اور صالحین
کی تکلیفات سے اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ درحقیقت مذکورہ عارضی
تکلیفات سے مسلمانوں کی اندرونی استعداد اور کمالات کو جلا بخشنا مقصود
ہوتا ہے۔

گر دولت بشکست دلبر مستی افزوں کن کمال
کز شکست جام مجنون قصد لیلی دیگر است

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

قوله تعالى ربنا اتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة.

” اے ہمارے رب ہمیں اس دنیا میں اچھائی اور بھلائی عطا فرما

اور آخرت میں بھی اچھائی اور بھلائی عطا فرما“

کسی بھی عالم دین سے آخرت کی ”حسنة“ کے متعلق اگر

دریافت کیا جائے کہ اس سے کون سے اچھائیاں اور بھلائیاں مراد ہیں

تو وہ بلا تامل کہے گا کہ اس سے جنت کے باغات، حسین و جمیل

حوریں، عالی شان محلات، لذیذ خوراک اور نفیس پوشاک وغیرہ مراد

ہیں اور جب دوبارہ اسی جواب دینے والے سے دنیا کے ”حسنة“ کا

معنی اور مفہوم پوچھا جائے تو سابقہ بیان کردہ معنی اور تفصیل کے سوا کوئی

اور معنی بتا دے گا مثلاً عبادت اور نیک عمل کرنے کی توفیق وغیرہ، حالانکہ

دونوں جگہ ایک ہی لفظ ہے، لہذا معنی اور مفہوم میں اگر فرق ہو گا تو دائمی

اور وقتی یا عام اور خاص کا ہو گا یعنی اتنا فرق کہ قیامت کے انعامات سب

کے سب دائمی ہیں۔ ”واكلها دائم“ جنت کے کھانے دائم ہوتے

ہیں۔ اور دنیا کے فانی ہوتے ہیں۔ ”كل من عليها فان“.

نیز جنت کے انعامات عام ہیں کہیں بھی ممانعت نہیں ہے مگر دنیا

کی نعمتوں میں آزمانے کیلئے بعض خواہشات کی تکمیل پر بندشیں ہوتی ہیں۔ اس فرق کے سوا کوئی وجہ نہیں کہ ایک ہی لفظ ”حسنہ“ کا دنیا کے اعتبار سے ایک مفہوم ہو اور آخرت کے اعتبار سے دوسرا، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لئے ہی پیدا فرمایا ہے جو کچھ زمین میں ہے نیز فرمایا ” و جعلنا لکم فیہا معاش ”** اور ہم نے پیدا کیا تمہارے لئے زمین کے اندر جملہ معاشی ضروریات۔

و سخر لکم ما فی السموات و ما فی الارض جمیعاً منہ
 ”اور اس نے تمہارے لئے تابع بنا دیا جو کچھ آسمانوں میں ہے
 اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کے حکم سے۔“

تشریح:

ان جیسی آیات میں ”لکم“ یعنی تمہارے لئے کی ضمیر مخاطب اس بات کی واضح دلیل ہے کہ کرۃ ارض کے اوپر اور اس کے اندر ظاہر اور پوشیدہ تمام سامان تغیش اصالیۃً مسلمان کیلئے ہے۔۔

و اسبغ علیکم نعمہ ظاہرۃ و باطنۃ .

”اور اس نے تمہارے اوپر اپنی ظاہری اور مخفی نعمتوں کی تکمیل

(بھرمار) کردی“

و آتاکم من کل ما سئلتموہ وان تعدّو نعمة اللہ
لا تحصوها .

”اور تمہیں وہ سب کچھ عطا کیا جن کا تقاضا تمہاری فطرت اور
مقتضائے حال نے کیا تھا اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر
سکو گے۔“

نیز ان آیات میں ”ما فی السموت و ما فی الارض“ اور
”ظاہرة و باطنة“ وغیرہ ایسے جامع اور ہمہ گیر الفاظ ہیں کہ قیامت
تک ظہور میں آنے والی تمام زمینی اور آسمانی انعامات اور ترقیات، خلائی
تسخیر، نئی ایجادات وغیرہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ دو جملوں میں
سمو دیا ہے۔ پس از روئے نقل (شریعت) ثابت ہوا کہ دنیا میں جنت
نظیر زندگی اور نعمتیں بھی مسلمان کیلئے ہیں۔ اور عقل تو یہی کہتی ہے کہ آقا
کے احسانات و فادار غلام ہی کیلئے ہوتے ہیں نہ کہ باغی کیلئے۔

دنیا اور آخرت کی نعمتوں میں فرق

اللہ تعالیٰ نے اگرچہ دونوں جہانوں کی نعمتیں مسلمان ہی کیلئے پیدا
کیں ہیں مگر ایک فرق کے ساتھ کہ اس دنیا کے انعامات سے کافر کو بھی

طفیلی طور پر مستفید ہونے کا پورا موقع اور اجازت دی گئی ہے لیکن آخرت کے انعامات سے باغیوں کو محروم کر کے کلی طور پر اپنے وفا دار بندوں کیلئے مخصوص کئے ہیں۔ ارشاد ہے

”کل نمدهولاء و هولاء من عطاء ربک و ما کان

عطاء ربک محظورا“

”ہم ہر ایک (مسلم، غیر مسلم) کے ساتھ دنیا کی کامیابی کے حصول کی جدوجہد میں مدد کرتے ہیں اور ہمارا یہ دنیاوی فیض و رحمت اور مدد کسی کیلئے ممنوع نہیں۔

”قل من حرم زینت اللہ التی اخرج لعبادہ

والطیبات من الرزق قل ہی للذین امنوا فی الحیاة الدنیا

خالصةً یوم القیامة“

”آپ کہہ دیجئے! کہ کون ہے وہ جس نے حرام کیا ہے اللہ تعالیٰ

کی وہ زیب و زینت جو کہ اس نے اپنے بندوں کی منفعت کیلئے پیدا کی ہے اور کھانے کی صاف ستھری چیزیں، تو کہہ دے کہ یہ جملہ نعمتیں اصل میں تو ایمان والوں کے واسطے ہیں۔ دنیا کی زندگی میں بھی (اگرچہ طفیلی طور پر کافر کو بھی نفع اٹھانے کی اجازت ہے) اور آخرت میں جملہ انعامات

مؤمنین کیلئے ہی مختص ہوں گے۔“

آج کے مسلمان اور کافر کا تقابلی موازنہ

کون انکار کر سکتا ہے کہ آج دنیاوی انعامات کے اعتبار سے تو معاملہ برعکس اور الٹا ہے جس کیلئے اس حسین و جمیل کائنات کے سینوں کو مطلوبہ انعامات اور ضروریات کے خزانوں سے بھر کر مسخر کر دیا تھا وہ مہمان گرامی (مسلمان) فقر وفاقہ کا چکول لئے اپنی ضروریات کی تکمیل کیلئے در بدر بھیک مانگ رہا ہے۔ زمین کا اصل خلیفہ اور حکمران ظلم و فساد کا قلع قمع کر کے عدل و انصاف قائم کرنے والا خود پابرہنہ، سرنگا اپنی مظلومیت کی فریادیں کیلئے ظالموں کے سامنے دامن عجز و نیاز پھیلائے ہوئے ہے اور عدل و انصاف کی بھیک مانگنے کیلئے روتے کھڑا ہے۔

عجز و نیاز پیش جفا کیش ابھی است

اشک کباب باعث طغیان آتش است

دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا باغی اور دنیاوی انعامات میں طفیلی

(کافر) زمین کی حکمرانی اور تنخیر کائنات کی بھاگ دوڑ اور زمام اختیار

سنجالے ہوئے ہر چیز میں خود کفیل دندناتا پھرتا ہے۔

کفار کی ترقی اور مسلمانوں کی پسماندگی کے دور رس نتائج

کافر اپنی دنیاوی ترقی کو مسلمانوں اور اسلام کے خلاف دو طرفہ طور پر بھرپور انداز میں استعمال کر رہے ہیں۔ ایک طرف تو انہوں نے ہر جگہ مسلمانوں کی جنگی قوت و صلاحیت مفلوج کرنے اور ان کی نسل کشی کا بازار گرم کر رکھا ہے دوسری طرف بھرپور انداز میں اسلام کے خلاف یہ پروپیگنڈہ مہم چلانے کیلئے اپنے تمام تر نشریاتی اداروں کو وقف کر دیا ہے کہ مسلمانوں کی پسماندگی کا واحد سبب مسلمانوں کی قدامت پرستی، رجعت پسندی، بنیاد پرستی اور ملازم ہے۔ ان تمام مختلف عنوانات کا مطلب اور مفہوم ایک ہی ہے یعنی قرآن و سنت پر سو فیصد عمل کرنا اور کروانا۔

خونِ قتیل بے سرو سامان پائے خویش

مالید آنگار حنار ابہانہ کرو

مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالی اور ابتری کے نتیجے میں ملت مسلمہ تین طبقوں میں تقسیم ہوتی جا رہی ہے۔

اول طبقہ: ان مسلمانوں کا ہے جو کفار کے مذکورہ پروپیگنڈہ کو ایک

حقیقت سمجھنے لگے ہیں اور اس پروپیگنڈہ کی رو میں بہہ گئے ہیں، آج کل عام

طور پر مسلمانوں کے حکمران اسی گروہ کے ہمنوا ہیں۔ ان لوگوں کو مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالی کا دکھ بھی ہے اور اس کیلئے فکر مند بھی ہیں مگر وہ اس زبوں حالی کا مداوا اور مسلمانوں کی ترقی کارا زملاً از م، بنیاد پرستی اور رجعت پسندی کے علمبردار قوتوں اور طاقتوں کی بیخ کنی اور انہیں نیست و نابود کرنے میں مضمر سمجھتے ہیں اس لئے وہ علماء اسلام اور اسلامی نظام نافذ کرنے کے متمنی حضرات کے خلاف طاقت اور لالچ صرف کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے اور یہی وجہ ہے کہ آج ہر ملک میں ان کے خلاف بازار ظلم گرم ہے۔

وہ ظلم ڈھائیں کہ غیروں کو آگیا رونا
عجیب رنگ یہ اپنوں نے اختیار کیا

طبقة دوم: یہ طبقہ ان لوگوں کا ہے جو رہبانیت اور بدھ مت (جوگی پن) کی تعلیمات سے غیر شعوری یا لاعلمی کی وجہ سے بری طرح متاثر ہیں۔ ان کا زعم ہے کہ دین داری اور دنیا داری دو سکونوں کی مانند ہیں۔ دونوں کی خوشنودی ناممکن ہے۔ دنیا نجس ہے، مسلمان پیدا ہی اس لئے ہوئے ہیں کہ وہ جملہ دنیاوی اسباب ترک کر کے مسبب الاسباب اپنانے کی کوشش کرے اور اس دنیا میں اللہ اللہ کرتے کرتے جتنی خواری، مشقتیں، بھوک، پیاس، ذلت و مظلومیت اور صبر و استقامت سے برداشت کرے اتنا ہی اللہ

تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا اور دوسرے جہاں کی کامیابی مقدر ہوگی اور یہی ہے متوکلین علی اللہ کی پہچان۔ اس زعم اور عقیدے کے حامل لوگ بڑے اطمینان اور بے فکری کی زندگی گزار رہے ہیں، مسلمان قوم پر کسی مصیبت کے آنے پر بظاہر ان کا کوئی رد عمل ظاہر نہیں ہوتا بشرطیکہ مسلمان اسے جرأت و استقلال کے ساتھ سہتے رہیں اس لئے کہ ان کے زعم میں یہ دنیاوی مشکلات اور تثرالات اخروی ترقیات کا زینہ ہیں تو گویا امت مسلمہ روز افزوں رو بہ ترقی ہے۔

بہت خوش ہوں خدا یا د آرہا ہے اس مصیبت میں
میری کشتی کو اے طوفان یونہی زیر و زبر رکھنا

طبقة سوم:

اس طبقے کا عقیدہ ہے کہ دنیاوی ناز و نعم، کرۃ ارض پر حکمرانی اور کائنات کی تسخیر مسلمان کی میراث تھی مگر شومنی قسمت کہ مسلمانوں نے نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج جیسی عبادات کی پابندی چھوڑ دی نہ خود کرتے ہیں اور نہ ہی ان کی دعوت و تبلیغ کرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ان سے اللہ ناراض ہے اور موجودہ ذلت و پستی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی جیتی جاگتی تصویر ہے اور یہ حضرات یقیناً مسلمانوں کی موجودہ ذلت اور رسوائی پر نوحہ

کناں اور مسلمان قوم کی سابقہ شوکت و جلال کیلئے شب و روز گریہ کناں
ہیں۔

ہے ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک تھی ناگوار
گستاخی فرشتہ ہمارے حضور میں
بہت بے آبرو ہو کر تیری دنیا میں رہتے ہیں
اگرچہ ہر ایک گروہ کے اپنے دعویٰ پر دلائل بھی ہیں اور بظاہر ان
کی بات قابل التفات بھی معلوم ہوتی ہے مگر مسلمانوں کی زبوں حالی کے
مرض کی تشخیص اور اس کے علاج و مداوی کے سررشتہ کی دریافت سے
کوسوں دور ہیں۔

مسلمانوں کی موجودہ ابتری کے اسباب اور اس کی تلافی
مسلمانوں کے مذکورہ تین طبقوں کا نظریاتی تجزیہ کرتے وقت
ہمیں معلوم ہوا کہ

طبقہ اول کے زعم کے مطابق مسلمانوں کی زبوں حالی اور ترقی
کے حصول میں رکاوٹ ملازم، رجعت پسندی اور بنیاد پرستی کے عناصر
یعنی حقیقی اسلام اور قرآن و سنت پر مبنی نظام ہے لیکن تاریخ گواہ ہے کہ
اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے مسلمان ترقی کے بام عروج پر پہنچے اور

پوری دنیا میں واحد سپر پاور کے طور پر ابھرے اور آج کا ترقی یافتہ یورپ اس دور میں جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہا تھا اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ انسان کو قرآنی تعلیمات نے ہی دنیاوی ترقی سے روشناس کرایا ہے یورپی سکالروں کی تصنیفات اس حقیقت کی گواہ ہیں۔ تفصیل کیلئے دیکھیں فرانسیسی محقق ڈاکٹر گستاؤلی بان کی تالیف ”تمدن عرب“ اور مسٹر ابرٹ بریفالٹ کی تالیف ”تشکیل انسانیت“۔ نیز جناب غلام جیلانی برق کی تالیف ”یورپ پر اسلام کا احسان“ اور علامہ شہاب الدین ندوی کی ”اسلام کی نشاۃ ثانیہ قرآن کی نظر میں“ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ طبقہ اول والوں کا مذکورہ نظریہ اور تجزیہ یا تو تاریخ سے بے علمی اور یا خواہشات نفس کی تکمیل کیلئے راہ ہموار کرنے کی ایک دیدہ و دانستہ کوشش ہے۔

نیز یہ بھی واضح ہوا کہ طبقہ دوم کا نظریہ ”سوء علم“ یعنی غلط علم اور نا سمجھی پر مبنی ہے۔ ان کے اطمینان کی حیثیت خود فریبی سے زیادہ کچھ نہیں ہے ان کی مثال ایسی ہے جیسے در دو کرب میں مبتلا مریض کی حس کو مفلوج کرنے کے لئے نشہ آور دوائی کھلا دی جائے یا ٹیکہ لگوا یا جائے، جس میں مریض کے جسم میں مرض جوں کاتوں موجود ہوتا ہے مگر وہ بے حس کے عالم

میں میٹھی نیند سوراہا ہوتا ہے۔ یہ نظر یہ بھی قطعی نصوص اور عقل کے بھی خلاف ہے۔

طبقہ سوم کی بات کو اگر کلی طور پر درست تسلیم کر لی جائے تو دو برائیوں میں سے ایک برائی قبول کرنا پڑے گی۔ یا تو تسلیم کرنا ہوگا کہ موجودہ ترقی یافتہ غیر مسلم اقوام کے نیک اعمال اور عبادات بہ نسبت مسلمانوں کے زیادہ ہیں اور ان کے گناہ اور نافرمانیاں بہ نسبت مسلمانوں کے کم ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ ان سے (نعوذ باللہ) راضی ہے ورنہ ان پر دنیاوی انعامات کی بارش کر رکھی ہے۔ مسلمانوں سے اللہ ناراض ہے اس لئے ان پر ذلت و مسکنت مسلط کر دی ہے اور یہ ماننا ہوگا کہ یہ دنیا کافروں کیلئے ہے مسلمانوں کیلئے دوسرے جہاں کی ابدی خوشیاں ہوں گی۔ یہ باتیں رہبانیت کی تعلیمات ہیں، حالانکہ قرآن کریم کی صریح آیات ہم پچھلے صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی نعمتیں اصالیہ مسلمانوں کیلئے پیدا کی ہیں، کفار اس میں طفیلی ہیں۔ البتہ طبقہ سوم کی یہ بات ایک حد تک درست ہے کہ مسلمانوں کی زبوں حالی ان کی نافرمانی کا نتیجہ ہے مگر کسی نافرمانی کا؟

وہ گناہ جس کی پاداش میں آج مسلمان خوار و ذلیل ہیں

عام طور پر ہر ملت والے دانستہ یا نادانستہ طور پر اللہ تعالیٰ جیسی
عظیم ذات کا تصور بھی ایک جانبدار ہستی کے طور پر پیش کرنے میں پس و
پیش نہیں کرتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم کسی برائی کا ارتکاب بھی کریں
تو اللہ تعالیٰ فلاں فلاں وجوہات کی بناء پر یقیناً ہمیں معاف فرمائیں گے
لیکن اگر کوئی دوسری ملت کا پیروکار اسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو ان کے
خیال میں اسے اللہ تعالیٰ ضرور سزا دے گا مگر قرآن کریم ایسے نظریے اور
خوش فہمی کی سختی سے تردید کرتا ہے۔

” لیس بامانیکم و لا امانی اهل الكتاب من يعمل

سوء یجز بہ “

”تمہارے اور اہل کتاب کی خواہشات کی بات نہیں ہے، جس

کسی نے بھی برائی کی اسے ضرور برائی کا بدلہ ملے گا۔“

اس اصول کے پیش نظر آج جس گناہ کی پاداش میں امت مسلمہ کو

اجتماعی سزا دی جا رہی ہے۔ یہ گناہ لامحالہ امت کا اجتماعی گناہ ہے نہ کہ

انفرادی اور شخصی گناہ، اور کفار کے کفر کے باوجود وہ اجتماعی طور پر اس گناہ

میں مبتلا نہیں ورنہ انہیں بھی اس اجتماعی گناہ کی دنیاوی سزا (دنیاوی ذلت

و خواری) سے نہیں بچنا چاہیے۔

امت مسلمہ کا اجتماعی گناہ: امت مسلمہ کی عبادات یا گناہ بعض انفرادی ہیں جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ، ان کا ترک کرنا بھی انفرادی گناہ ہے۔ ان کے کرنے کا ثواب اور ترک کا وبال اسی فرد تک محدود ہوتا ہے، دوسرے لوگ اس کے وبال کی زد میں نہیں آتے۔

”ولا تنذر وازدة وزر اخیری“

”کوئی بھی کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ (سزا) برداشت نہیں

کرے گا۔“

دوسری قسم کی عبادات وہ ہیں جو امت مسلمہ کا اجتماعی فریضہ ہیں یعنی اس کام کو عملاً کرنا تمام امت کا فریضہ ہے۔ پوری امت اس کام کو عملی وجود بخشنے یا بعض، اجر سب کو ملے گا یعنی پوری امت فرمانبردار اور مواخذے سے بری الذمہ ہوگی اور اگر اس کام کو کسی نے بھی سرانجام نہیں دیا تو پوری امت اللہ تعالیٰ کے دربار میں مجرم اور مستحق سزا ہوگی تا وقتیکہ اس کام کو عملاً سرانجام نہ دیں۔ مثال کے طور پر امت کا اجتماعی فریضہ ہے کہ خوراک اور معاش، صحت اور دفاع میں خود کفیل ہو، مستحکم اسلامی حکومت قائم ہو اور اسلامی اقدار اور روایات کی پاسداری کی جاتی

ہو۔ ان امور کیلئے باغبانی، زراعت، پوشاک، علاج معالجہ، دعوت تبلیغ اور عسکری قوت کی ضرورت ہے اور ان تمام ضروریات کا قرآنی نام ”علم الاسماء“ یا ”علوم آدم“ ہے جس کو دور جدید میں سائنس و ٹیکنالوجی، جوہری توانائی یا تخییر کائنات کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہی وہ علوم و فنون ہیں جو زمین پر خلافت اور حکمرانی کی چابیاں ہیں۔ بد قسمتی سے مسلمانوں نے ان چابیوں کو جب سے کھو دیا تب سے اس جرم کی سزا بھگت رہے ہیں اور بھگتے رہیں گے۔ کافروں نے مسلمانوں کی گم کردہ چابیوں کو ڈھونڈ پایا، لہذا مسند حکمرانی کائنات پر بلکہ میراث مسلمان پر برا جماں ہیں۔ ان مسائل کی تفصیل میری تالیف ”علوم الانبیاء اور تخییر کائنات“ میں موجود ہے۔ مطالعہ مفید رہے گا۔

امت کے اجتماعی فرائض میں سے اولین اور اہم ترین مسئلہ خوراک کا ہے جس کے بغیر انسان کا وجود باقی نہیں رہ سکتا اور جب وجود باقی نہ ہو تو دین کہاں؟

لہذا میں اس مختصر سے رسالہ میں ”شجر کاری اور زراعت“ پر اسلامی زاویہ نگاہ سے نظر ڈالنے کی کوشش کروں گا۔ واللہ المیسر وعلیہ التکلان۔
بندہ نور محمد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باغات کی اہمیت

الحمد لله و كفى وسلام على عباده الذين اصطفى

اما بعد .

عربی دان حضرات جانتے ہیں کہ عربی میں ”جَنَّةٌ“ اور اس کی جمع ”جَنَّتٌ“ ہے اس کا معنی ہے باغ اور باغات، آخرت کے باغات کا تو ہر کوئی طلبگار ہے، آخرت کے انعامات میں سے باغات یعنی جَنَّتٌ نکال دیئے جائیں تو نہ جانے کہ ان انعامات کیلئے کسی دوسرے عنوانی نام میں سامعین کیلئے کوئی کشش اور جاذبیت باقی رہے گی بھی یا نہیں۔ اسی طرح قرآن کریم نے اس دنیا کی نعمتوں میں سے باغات اور میوہ جات اور اس کے ضمن میں زراعت کا جن مختلف پیرایوں میں ذکر کیا ہے اگر ان تمام آیات قرآنی کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے گی۔ اس لئے میں اختصار کے ساتھ بانی اسلام ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا پر اکتفا کرتا ہوں جو آپ نے مرکز اسلام خانہ کعبہ کا سنک بنیاد رکھتے وقت مانگی تھی۔

نسل انسانی کیلئے منشور ابراہیمی علی صاحبہا السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب سخت امتحانات میں اعلیٰ ترین انداز سے بڑے حسن و خوبی سے سرخرو ہوئے جس کے بعد آپ کو جملہ انسانوں اور خاص کرامت مسلمہ کی امامت اور قیادت کے منصب پر سرفراز کرنے کا دور آیا، تو سب سے پہلے دین ابراہیمی کیلئے ایک مرکزی تعمیر کی ضرورت تھی تاکہ اس کے پیروکار جہاں کہیں بھی ہوں ان کی اس مرکز سے وابستگی قائم رہے۔ اس مرکز کیلئے اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کی منہدم شدہ عمارت کی جگہ بتلا کر از سر نو تعمیر کا حکم فرمایا۔ اس موقع پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جن مطالبات کو جس عجیب و غریب ترتیب کے ساتھ درخواست کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا اور اللہ تعالیٰ نے تقریباً ان تمام مطالبات کو شرف قبولیت بخش دی۔ اس سے ہر سمجھنے والا سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کیلئے عموماً اور ملت اسلامیہ کیلئے خصوصاً مطالبات ابراہیمی کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور اس کی اہمیت اور ضرورت پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ اس کے باوجود اگر کوئی ملت یا فرد اپنی زندگی کیلئے منشور ابراہیمی کو بطور رہنما اصول نہیں اپناتا وہ احمق نہیں تو اور کیا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی درخواست کی بنیادی دفعات قرآن کریم کے الفاظ میں نمبر وار عرض کیے دیتا ہوں

- تفصیل کیلئے پارہ ۱، سورۃ البقرہ آیت ۱۲۳ تا ۱۳۶ کا غور و تدبیر سے مطالعہ کیجئے

(۱) واذ قال ابراهيم رب اجعل هذا بلداً
جب ابراہیم نے عرض کیا کہ میرے رب اس مرکز اسلام کو شہر بنا دیجئے۔

(۲) ”آمناً“ ایسا شہر کہ جہاں انسان، حیوان، درخت اور سبزہ زار سب کچھ امن سے رہ رہے ہوں۔

(۳) ”و ارزق اہلہ من الثمرات“ اور اس شہر کے رہنے والوں کے لئے کھانے کیلئے پھل اور میوہ جات کا انتظام فرما۔

(۴) واذ یرفع ابراهيم القواعد من البيت و اسمعيل ربنا
تقبل منا۔ اور ابراہیم اور اسمعیلؑ کی تعمیر اونچی کرتے ہوئے دعا بھی کرتے تھے کہ اے ہمارے رب ہماری خدمات اور طلب کو شرف قبولیت بخش دے۔

(۵) ربنا واجعلنا مسلمین لک . اے پروردگار ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنا دیجئے۔

(۶) و من ذریتنا امة مسلمة لک .

”اور ہماری اولاد میں سے ایک مسلمان امت بنا دیجئے۔“

(۷) وارنا مناسکنا .

”اور ہمیں بتا ہمارا طریقہ عبادت و حج۔“

(۸) و تب علینا .

”اور ہمارے حال پر رحم فرمائے۔“

(۹) ربنا و ابعث فیہم رسولاً منہم یتلوا علیہم ایتک

یعلمہم الکتاب والحکمة و ینزکیہم .

اے پروردگار! ہماری اولاد کی امت مسلمہ میں انہیں میں سے
ایک پیغمبر مبعوث فرما دے جو ان کو تیری آیات پڑھ کر سنایا کرے اور انہیں
کتاب اور حکمت کی تعلیم دیا کرے اور ان کے دل و دماغ کا تزکیہ اور
صفائی کرتا رہے۔

(۱۰) و من یرغب عن ملة ابراهیم الا من سغه نفسه . اور

ابراہیم علیہ السلام کے دین (اس منشور) سے کون روگردانی کر سکتا ہے بجز
اس کے جو نہایت احمق ہو۔

دعاء ابراہیمی سے ثابت شدہ امور

جب قرآن کریم کسی نبی کی دعا نقل کرتا ہے تو یہ مسلمانوں
 ملت کیلئے شریعت اسلامی کی حیثیت رکھتا ہے۔ علامہ شیخ عزالدین بن عبد
 السلامؒ اپنی کتاب ”الاتقان فی علوم القرآن“ میں تصریح فرماتے ہیں کہ
 جب اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں کسی نبی کی دعا نقل کرتا ہے تو یہ اس بات کی
 دلیل ہوتی ہے کہ اس پیغمبر کی طلب کردہ چیزیں امت مسلمہ کے لئے
 مشروع ہیں یعنی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایسا کرنے کا حکم دیتا ہے کہ تم بھی
 ایسا کرو۔ اس بالواسطہ حکم کی تعمیل امت کیلئے وجوب اور استحباب کے
 درجے کے درمیان ہوتی ہے۔

” اذا اخبر عن دعاء الرسول بحصوله فهو دليل

على مشروعيته المشتركة بين الوجوب والندب .

(تفسیر: الاتقان فی علوم القرآن - ج ۲ ص ۱۳۰)

(۱) پس ابراہیمؑ کا کا بیت اللہ کے مقام کو شہر (بلد) بنانے

کی دعا سے شہریت اور اس کے جملہ لوازمات و انتظامات کیلئے ایک شرعی
 ماخذ بنایا جاسکتا ہے۔

(۲) حرم شریف کے امن کی درخواست حضرت ابراہیم علیہ

السلام نے کی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمایا، اس امن سے صرف
 انسانوں کیلئے امن نہیں بلکہ انسانوں اور دیگر حیوانات اور نباتات سب

کیلئے امن طلب کیا تھا اور آج بھی حرم کے چاروں اطراف میں کئی میل تک شکار کھیلنا اور جنگلی درخت کا ثنا ممنوع ہے تو گویا کہ مسلمانوں کیلئے یہ دعاء ابراہیمی آج بھی شہری حقوق کیلئے شرعی قانون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس میں سرفہرست انسانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ ہے اور دوسرے نمبر پر حیوانات اور جنگلات کے تحفظ کا قانون ہے مگر یاد رہے کہ خواہ قوانین کتنے ہی اچھے اور مفید بنائے جائیں جب تک اس کے پیچھے قوت نافذ نہ ہو تب تک قوانین سے مطلوبہ نتائج اخذ نہیں کئے جاسکتے۔ اس لئے دعاء ابراہیمی سے اقتضاء یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر شہر و بلد کی انتظامیہ کیلئے لازمی ہے کہ انسانوں، جنگلی حیوانات اور جنگلی درختوں کے تحفظ کیلئے قوت بھی مہیا کرے وغیرہ وغیرہ۔

(۳) اہلبیان شہر مکتہ المبارکہ کیلئے رزق ثمرات کی جو درخواست کی تھی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شجر کاری اور زراعت سنت اور تمنائے ابراہیمی ہے اور اللہ کو پسندیدہ اور مقبول ہے اور کسی علاقے کے باشندوں کیلئے امن کا مسئلہ دیگر تمام مسائل پر مقدم بھی ہے حالانکہ متصوفین اور زاہدان خشک سے آج بھی اس درخواست ابراہیمی کی بات کی جائے تو وہ کہہ دیں گے یہ ضروریات نہیں، بلکہ خواہشات ہیں یعنی

مذموم فعل ہے میں نے چونکہ اسی خاص سنت ابراہیمیؑ پر کچھ کہنا ہے اس لئے درخواست ابراہیمیؑ کی مزید دفعات پر یہاں کچھ لکھنے سے گریز کر کے اپنے موضوع پر انحصار کرتا ہوں۔

ابراہیم علیہ السلام کے نقش قدم پر چلنا حضور علیہ السلام سے سیکھ لیجئے

خانہ خدا کا سنگ بنیاد رکھنے یا تعمیر نو کا افتتاح کرنے، اور لوگوں کی امامت اور قیادت کرنے کا منصب سنبھالنے کی تقریب کے موقع پر ابراہیم علیہ السلام نے دربار الہی میں جو دعائیں مانگیں یا بالفاظ دیگر شہنشاہ مطلق کے دربار خاص (بیت اللہ) میں جو سپاسنامہ پیش کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس میں صرف دو ترمیمات کر کے باقی مطالبات حرف بحرف قبول کر لئے یہ گویا جملہ انسانیت اور خاص کرامت مسلمہ کیلئے حضرت ابراہیم کی طرف سے اعلان شدہ منشور ہے تاکہ ملت ابراہیمی کا ہر رکن اس منشور کی روشنی میں زندگی گزارے۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے اس عمرانی منشور کی جملہ دفعات اپنی ترمیمات کے ساتھ قرآن کریم کا جزء بنا کر شائع کیا تاکہ مسلمان اسے اپنائیں مگر افسوس! کہ مسلمان قرآن کریم میں اسکو پڑھتے پڑھاتے ہیں، لیکن اپنا تے نہیں،

شاید اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم ہمیں ایک قصہ پارینہ اور ماضی بعید کا ایک تاریخی واقعہ مستند حیثیت سے سناتا ہے اور بس، حالانکہ قرآن کریم انہیں اس حیثیت سے سناتا ہے کہ یہ ملت اسلامی کے بانی کی طرف سے اسلامی منشور ہے اگر دنیا میں مسلمان بن کر رہنا ہے تو اس منشور کو اپنانا ہوگا۔

آئیے دیکھیں کہ صاحب قرآن خاتم النبیین ﷺ نے منشور ابراہیمی سے کیا مطلب سمجھ لیا تھا؟

عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لكل نبي حرم و انى قد حرمت المدينة كما حرم ابراهيم مكة.

’ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر نبی کا حرم (محفوظ علاقہ جہاں انسانوں، جنگلی چرندوں، پرندوں اور خودرو درختوں اور جڑی بوٹیوں کو امن) ہوتا تھا۔ بے شک میں نے مدینہ منورہ کو ایسا ہی علاقہ محفوظ بنا دیا ہے جیسا کہ ابراہیمؑ نے مکہ مکرمہ کو علاقہ محفوظ بنایا ہے۔‘

(کنز العمال ج ۱۲، ص ۲۳۳)

وضاحت:

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعلان کردہ منشور کو ہر نبی اور اس کے پیروکاروں نے ہر دور میں اپنے بودوباش کے علاقوں میں نافذ کیا تھا۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہم ! ان ابراہیم خلیلک و نیک وانک حرمت مکة علی لسان ابراہیم ، اللہم ! وانا عبدک و نیک و انی احرم ما بین لا بیتھا .

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے کہا کہ اے اللہ بے شک ابراہیم تیرا خلیل اور نبی تھا اور تو نے مکہ کو ابراہیم کے کہنے پر زمین حرم بنایا۔ اے اللہ میں تیرا بندہ اور نبی ہوں اور مدینہ کے دو اطراف کے درمیانی علاقہ کو علاقہ محفوظ بناتا ہوں۔“
(کنز العمال ج ۱۲، ص ۲۳۳)

عن سعدٍ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی احرم بین لا بتی المدینة ان یقطع اعضاها او یقتل صیدھا الخ .

”حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام

نے فرمایا کہ میں مدینہ منورہ کے دونوں اطراف کے درمیان درخت کاٹنا اور شکار کھیلنا ممنوع قرار دیتا ہوں۔“

(مسلم ج ۱، فضائل المدینہ)

عن ابی ہریرۃ قال قال النبی علیہ السلام اللہم ان ابراہیم عبدک و خلیلک و نبیک و انی عبدک و نبیک و انه دعاک لمکة و انا ادعوک للمدینة بمثل ما دعاک لمکة و مثله معه الخ.

”حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے کہا کہ اے اللہ! ابراہیم تیرا بندہ خلیل اور نبی تھا اور میں تیرا بندہ اور نبی ہوں، اس نے تجھ سے مکہ کیلئے مانگ لیا تھا اور میں تجھ سے مدینہ منورہ کے لئے اس سے دوچند مانگتا ہوں۔“

(مسلم ج ۱ ص ۲۴۳)

خلاصہ: ان احادیث سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مرکز اسلام کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے امن عامہ، تحفظ حیوانات اور تحفظ نباتات کے جو قوانین نافذ کئے تھے اس کا مطلب یہی تھا کہ فرزند ان تو حیدر مین کے چپے چپے پر اپنے شہروں اور قصبوں کو صحت افزا بنانے، اسے معاشی اور روحانی و ایمانی جلا بخشنے کیلئے منشور

ابراہیمی کی نہ صرف نقل کریں گے بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر ترقی دینے کیلئے جدوجہد کریں گے اور یہی تمام انبیاء علیہم السلام کا طریقہ، شریعت اسلامی کا تقاضہ اور اعلیٰ ترین عبادات میں سے ہے۔

شجرکاری اور زراعت کے مختلف النوع فضائل

عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من غارس یغرس یغرس غرساً الا کان ما اکل منه له صدقة و ما سرق منه صدقة و ما اکل السبع فهو له صدقة و ما اكلت الطیر فهو له صدقة ولا یزرؤہ احد الا کان له صدقة.

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ کوئی بھی مسلمان جب کوئی پودا لگاتا ہے تو جو کچھ اس کے میوہ سے خود کھا لیتا ہے وہ اس کیلئے صدقہ شمار ہوتا ہے اور اگر اس سے کوئی چوری کر لیتا ہے وہ بھی اس کیلئے صدقہ ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے درندے کھا لیتے ہیں وہ بھی اس کیلئے صدقہ ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے پرندے کھا لیتے ہیں وہ بھی اس کیلئے صدقہ ہوتا ہے اور اگر کوئی اس کو گزند پہنچائے وہ بھی اس کیلئے صدقہ ہوتا ہے۔“

(کنز العمال ج ۳ ص ۸۹۲)

وضاحت:

یاد رہے کہ شریعت میں ہر خیرات کو صدقہ کی حیثیت حاصل نہیں ہے بلکہ خاص اس خیرات کو صدقہ کہا جاتا ہے جو کسی مستحق مسکین کو محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کیلئے دیا جائے اس کے سوا کوئی دیگر محرک نہ ہو، ایسی خیرات کے متعلق حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مسکین کے ہاتھ میں پڑنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں پہنچ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو بڑھاتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اگر وہ صدقہ کھجور کے آدھے حصے کے برابر ہو تو قیامت کے دن وہ احد کے پہاڑ سے بڑھ کر ہوگا۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک پودا لگانے سے صدقات کا ڈھیر حاصل کیا جاسکتا ہے، یہاں تک کہ اگر اسے قدرتی آفات باد و باران، مضر کیڑے مکوڑے اور بیماریوں کے جراثیم کھا کر ضائع کریں یا گزند پہنچائیں تو بھینچو دا لگانے کا پورا ثواب ملے گا۔

دنیا میں باغات لگانے والوں کیلئے اللہ تعالیٰ بہشت میں

باغات تیار کرتا ہے

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم من غرس شجرة فايئعت غرس الله له
بها شجرة في الجنة.

”ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے
فرمایا کہ جو شخص پودا لگا کر اس کی آبیاری کرتا رہا، یہاں تک کہ وہ تیار ہو گیا
تو اللہ تعالیٰ اس شخص کیلئے جنت میں درخت لگاتا ہے۔“

(کنز العمال ج ۳ ص ۸۹۶)

تشریح:

جزاوسزا کے قوانین میں یہ بات ملحوظ ہوتی ہے کہ دنیاوی عمل
اور اس کے اخروی ثمرات اور نتائج میں لفظی اور ظاہری مشابہت ہوتی ہے
اگرچہ ان کی حقیقتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے اس بناء پر دنیا میں
باغات لگانے اور شجر کاری کے عمل کا بدلہ جنت کے باغات میں ملنا ہی
بہترین بدلہ ہو سکتا ہے گویا دنیا میں اپنے لئے جنت بنانے والے مسلمانوں
کو اللہ تعالیٰ آخرت میں بھی جنت عطا فرماتا ہے۔

مرنے سے پہلے کرنے کا کام شجر کاری ہے

عن ابن ثابت رضی اللہ عنہ قال سمعت عمر بن

الخطاب يقول لا بی ما یمنعک ان تغرس ارضک؟ فقال

ابی وانا شیخ کبیر اموت غداً فقال له عمر اعزم علیک
لتغرسها فلقد رأیت عمر یغرسها بیدہ مع ابی.

”ابن ثابت کہتا ہے کہ میں نے عمر فاروق کی بات سنی کہ آپ
میرے والد سے فرما رہے تھے کہ تو کیوں اپنی زمین پر باغ نہیں لگاتا ہے؟
میرے والد نے جواب میں کہا کہ ”میں بوڑھا آدمی ہوں، کل مرنے والا
ہوں“ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے کہا کہ میں تجھے قسم دلاتا ہوں کہ
ضرور اپنی زمین میں باغ لگاؤ۔ ابن ثابت کہتے ہیں کہ میں نے اپنی
آنکھوں سے امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ میرے والد
کے ساتھ اسی زمین پر اپنے ہاتھ سے پودے لگا رہے تھے۔“

(کنز العمال ج ۳ ص ۹۰۹)

قیامت قائم ہونے سے پہلے کرنے کا کام

عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم ان قامت الساعة و فی ید احدکم فسیلة
فان استطاع ان لا یقوم حتی یغرسها فلیغرس.

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے
فرمایا کہ اگر قیامت قائم ہونے لگے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں پودا

ہو، اگر اسے اتنی فرصت مل سکے کہ قیامت قائم ہونے سے پہلے اس
پودے کو کھیت میں لگا سکے تو ضرور اسے لگا دے۔“
(کنز العمال ج ۳ ص ۸۹۲)

تشریح:

آج کل کی رسمی اور مصنوعی دین داری اور زہد و تقویٰ کی تعلیمات
تو یہی ہیں کہ جوانی میں نہ سہی بڑھاپے میں تو دنیا کے کام کاج، کھیتی باڑی
اور کمانے کے دیگر ذرائع اور پیشوں کو طلاق دی جائے اور بقیہ زندگی
نوافل، ذکر و اذکار، تلاوت و تسبیح، فضائل اور مستحبات کیلئے وقف کی جائے
اور یہی کام اسلام و ایمان کا نشان اور توکل علی اللہ کی علامت سمجھی جاتی ہے
اور اگر کوئی بوڑھا جس کے سر پر قیامت صغریٰ (موت) منڈلا رہی ہو اور
وہ تیار خوری کی عبادت پر رزق حلال کمانے کیلئے کسب حلال کو ترجیح دے
اور اس کیلئے وقت نکالتا رہے تو ایسی روش اپنانے کو آج کل بے دینی بلکہ
خاتمہ کی خرابی اور بربادی کی علامت سمجھا جاتا ہے اور اگر بالفرض قیامت
کبریٰ قائم ہونے کی علامات ظاہر ہونے لگیں اور اس حالت میں مسجد کو
دوڑنے کی بجائے اگر کوئی شجر کاری کیلئے دوڑنے لگے یا سجدہ میں گر کر
گر یہ وزاری کی بجائے پودے لگانے کیلئے گڑھے کھودنے لگے تو نہ جانے

کہ ایسے شخص پر کیا کیا فتوے لگائے جائیں گے کہ بھلا اسے دیکھو تو سہی دنیا کی ساری زندگی کا تناسب قیامت کی زندگی کی مناسبت سے آنکھ جھپکنے کی حیثیت نہیں رکھتی ہے اس کے باوجود یہ احمق ان چند لمحات میں بھی فانی زندگی کیلئے کمانے میں مصروف ہے۔ یہ ہیں ہماری آج کی اسلامی سوچ، مگر چاروں چار ہر مسلمان کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ حقیقی دین داری اور تقویٰ وہی ہے جس کی دعوت و تعلیم مزاج شناس شریعت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک بوڑھے صحابی کو دے رہے ہیں کیونکہ اسے معلوم تھا کہ میوہ دار پودے لگانے میں چابکدستی سے تھوڑے لمحات کو طویل ترین عبادت میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ نفلی عبادت میں افضل ترین عبادت وہ ہے جس کی نافعیت اور افادیت تمام حیوانات کیلئے وسیع تر اور طویل تر ہو، یہی ہے ہماری سمجھ اور حضور ﷺ کی خیر اندیشی کے مابین نقطہ امتیاز۔

۔ بہ بین تفاوت راہ از کجا است تا بکجا؟

چند لمحات میں بے حساب ثواب حاصل کرنا

عن ابی ایوب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم ما من رجل یغرس غرسا الا کتب اللہ

له من الاجر قدر ما يخرج من ثمر ذالك الغرس .
 ”ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کوئی آدمی پودا لگاتا ہے تو اللہ اس کیلئے پودا لگانے پر اتنا ثواب لکھتا ہے جتنی صلاحیت اس پودے کے اندر میوہ جات وغیرہ دینے کی ہو یعنی اتنی مقدار میں گویا اس شخص نے راہ خدا میں صدقہ کیا ہے۔“
 (کنز العمال ج ۳ ص ۸۹۲)

تشریح:

چونکہ اللہ تعالیٰ کا علم موجود اور غیر موجود اشیاء پر یکساں ہے لہذا اس پودے میں جوانی سے لے کر تا دم موت جتنا پھل اور دیگر افادیت انسانوں اور حیوانوں کیلئے ہو سکتی ہے، پودا لگانے والے کو پودا لگاتے ہی اللہ تعالیٰ اتنے بے پایاں صدقات کا ثواب لکھ دیتا ہے۔

نقطہ راز:

چھپلی حدیث شریف میں حضور علیہ السلام نے قیامت قائم ہوتے وقت بھی شجر کاری کی جو تاکید فرمائی ہے وہ اسی بناء پر ہے کہ پودا لگاتے ہی لمحہ بھر میں لاتعداد قبول شدہ صدقات جاریہ اور فیض رسانی کا ثواب حاصل ہو جاتا ہے۔

مزاج شناس شریعت:

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے گزشتہ حدیث میں حضرت ثابتؓ پر اپنی زمین میں بڑھاپے کی عمر میں باغ لگانے کی جو تاکید کی تھی وہ اس لئے کہ دنیا سے جاتے جاتے بھی ایک لا تعداد قبول شدہ صدقات کا خزانہ ساتھ لے جاسکیں۔

شجر کاری کے فضائل کی اجمالی فہرست

اہل علم حضرات جانتے ہیں کہ مذہب حنفی کے جملہ علماء کرام سات طبقوں اور درجوں میں تقسیم ہیں۔

درجہ اول:

یہ درجہ اور مقام امام اعظم حضرت ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے جسے طبقہ اولیٰ کہا جاتا ہے۔

درجہ دوم:

حضرت امام ابو یوسف، حضرت امام محمد، امام زفر، حسن ابن زیاد وغیرہم رحمہم اللہ کا ہے جنہیں امام اعظم ابو حنیفہؒ کی شاگردی کا براہ راست شرف حاصل ہے۔ ان حضرات کو طبقہ ثانیہ کہا جاتا ہے۔

درجہ سوم:

جن علماء کرام کا مقام تیسرے نمبر پر آتا ہے ان علماء کی فہرست میں علامہ شمس الدین السرخسی صاحب ”المبسوط“ بھی شمار کیا جاتا ہے۔ اس سے علامہ موصوف کے علوم مقام اور درجہ علمیت کا اندازہ بخوبی معلوم ہو سکتا ہے۔ علامہ سرخسی کسب حلال کے مختلف ذرائع کی فضیلت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سب سے افضل اور زیادہ ثواب والا پیشہ زراعت یعنی کاشت کاری اور شجر کاری ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

و اکثر مشائخنا رحمہم اللہ علی ان الزراعة افضل
من التجارة لانها اعم نفعاً (الی ان قال) وقال علیہ السلام
خیر الناس من هو انفع للناس فالاشتغال بما یکون نفعه
اعم یکون افضل ولان الصدقة فی الزراعة اظهر فلا بد ان
یتناول مما یکسبه الزراع الناس والدواب والطيور و کل
ذالک صدقة له قال علیہ السلام ما غرس مسلم شجرة
فتناول منها انسان او ذابة او طیر الا كانت له صدقة الخ .
”ہمارے اکثر مشائخ اس بات پر متفق ہیں کہ شجر کاری اور
کاشت کاری حلال تجارت سے بھی افضل ہے اس لئے کہ اس کا نفع اور فائدہ

بہت عام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام لوگوں میں افضل ترین انسان وہ ہے جو دوسرے لوگوں کیلئے مفید تر ہو، لہذا کوئی ایسا پیشہ اختیار کرنا جس کی منفعت بہت عام اور وسیع ہو کہیں زیادہ افضل ہے کہ اس کے نتیجے میں جو صدقات و جو دیں آتے ہیں وہ بہت پاکیزہ ہوتے ہیں، کاشت کار کی کاشت سے لوگ بھی کھاتے ہیں اور زمینی حیوانات بھی کھاتے ہیں اور اڑنے والے حیوانات بھی اور یہ سب کچھ اس کیلئے صدقہ شمار کیا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کوئی مسلمان درخت کاشت کرتا ہے پھر اس درخت سے انسان یا زمینی حیوانات یا اڑنے والے حیوانات کوئی بھی نفع حاصل کریں۔ یہ سب درخت کاشت کرنے والے کیلئے صدقہ ہوگا۔“

(المسند للبخاری ج ۲۰، ص ۲۵۹)

تشریح:

انسان عام ہے خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم اور دابتہ اس چیز کو کہا جاتا ہے جو زمین پر حرکت کر سکتی ہو۔ (ما ید ب علی الارض) مگر اس عموم میں یہاں انسان داخل نہیں ہے اس لئے کہ اس کا ذکر الگ ہو چکا ہے، انسان کے سوا جملہ زمینی حیوانات کو یہ لفظ شامل ہے خواہ وہ حیوانات کھلی آنکھ سے نظر آسکتے ہوں یا عینک، دور بین اور خوردبین کی وساطت

سے دیکھے جاسکتے ہوں نیز (طیبر) اڑنے والے زندہ اجسام میں بھی مذکورہ عموم ملحوظ ہوگا، لہذا اس عموم میں وہ تمام جراثیم اور بیکٹیریا بھی داخل ہوں گے جو درخت اور دیگر نباتات وغیرہ پر پھلتے پھولتے ہیں خواہ وہ اشجار وغیرہ کیلئے مفید ہوں یا مضر اور درخت کی منفعت میں اس کا پھل، پھول، پتیاں، شاخ، سایہ، بارش سے بچاؤ، درخت کی لکڑی کا تعمیرات میں استعمال یا ان سے جلانے وغیرہ کا کام لینا، سب مذکورہ صدقہ میں حساب ہوں گے۔ کوئی نہ سمجھے کہ اس فہرست میں جراثیم تک شامل کرنا بلا دلیل شاہ زوری ہے اس لئے کہ یہی حیوانات اجسام کے لحاظ سے تو یقیناً ناقابل دید ننھے ذرات ہیں، مگر ان کی قوت کی عظمت سے خدا کی پناہ جو درحقیقت ایٹمی ذرات جیسے تباہ کن قوت کے حامل زندہ اور متحرک اجسام ہیں۔

انسان کو دیکھئے کہ اونٹ، بھینس اور گائے جیسے حیوانات تک سب کچھ کھا جاتا ہے مگر جراثیم اور بیکٹیریا جیسے حیوانات اندر ہی اندر انسان کو کھانے میں مصروف ہیں، یہاں تک کہ قبر میں بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ کتنے بڑے ضخیم درخت ہوتے ہیں جنہیں یہی ننھے حیوانات کھا کر ضائع کرتے ہیں، حدیث مذکور کو جب اس زاویہ نگاہ سے دیکھا جائے تو

یوں دکھائی دیتا ہے کہ لسان نبوت قرآنی آیت کی تفسیر اور بیان کرتا ہے۔
 قوله تعالى: 'و ما من دابة فى الارض ولا طائر يطير
 بجناحيه الا امم امثالكم ط ما فرطنا فى الكتاب من شئى .
 ’ اور نہیں ہے کوئی حرکت کرنے والا زمین پر اور نہ کوئی اڑنے
 والا جو کہ اپنے دو بازوں پر اڑتا ہے مگر ہر ایک نوع تمہاری جیسی امت
 ہے، ہم نے نہیں چھوڑی کتاب میں کوئی چیز‘۔

(پارہ ۷، الانعام، آیت ۳۸)

حضور علیہ السلام نے اپنے دست مبارک سے تین سو

پودے لگائے ہیں

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا قصہ ایک
 طویل داستان ہے۔ تاریخ میں اس کی تفصیل پڑھی جاسکتی ہے، تلاش حق
 کیلئے فارس سے مدینہ منورہ پہنچ تو گئے مگر یکے بعد دیگرے غلامی کی
 زنجیروں میں جکڑے گئے۔ مدینہ منورہ میں ایک یہودی کی غلامی میں
 گرفتار ہو چکے تھے۔ یہودی نے حضرت سلمان کی آزادی کیلئے کئی شرائط
 لگا دی تھیں جن میں سے ایک شرط یہ تھی کہ سلمان اپنے یہودی آقا کیلئے
 کھجور کے تین سو پودے لگائے گا اور ان کی یہاں تک پرورش کرے گا کہ

ان سب پر پھل لگ جائیں، چنانچہ نبی علیہ السلام نے سلمان سے فرمایا کہ پودوں کیلئے گڑھے بناؤ اور پودے لگانے کیلئے مجھے اطلاع دینا۔ اطلاع ملنے پر حضور علیہ السلام نے اپنے دست مبارک سے ان سب پودوں کو لگایا اور اسی سال سب بار آور ہوئے۔ بجز ایک پودے کے، حضور علیہ السلام نے جب اس پر پھل نہ لگنے کا سبب دریافت کیا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ پودا میں نے لگایا تھا۔ تو حضور علیہ السلام نے اسے نکال کر دوبارہ لگا دیا اور اسی سال اس پر بھی پھل لگا۔ اس طرح حضور علیہ السلام کے قول و عمل سے بھی شجرکاری اور باغبانی کا عمل ثابت ہے، مگر کاش! کہ اس سنت کو بطور عبادت اپنا کر ہر مسلمان اپنی زمین میں یا کسی دوسرے بے سہارا مسلمان کے ساتھ بطور معاونت زندگی بھر میں تین سو پودے لگانے کی سنت زندہ کر دیتا تو آج مسلمان اس دنیا میں بھی جنت کی شہیہ سے مستفیض ہوتا۔

دنیا کے میوے جنت کے میووں کی شہیہ اور یادگار ہیں

عن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی

اللہ علیہ وسلم لما اہبط اللہ آدم من الجنة علمہ صنعة

کل شئی و زودہ من ثمار الجنة غیر ان ثمر تکم تتغیر و

ثمر الجنة لا يتغير .

”حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا تو اسے ہر صنعت کا علم دیا اور اسے جنت کے میوے عطا کئے سو تمہارے باغات کے میوے جنت کے میووں میں سے ہیں مگر اس فرق کے ساتھ کہ تمہارے میوے وقت گزرنے کے ساتھ گل سڑ جاتے ہیں اور جنت کے میووں میں کوئی تغیر نہیں آتا ہے۔“

(کنز العمال ج ۱۳، ص ۳۳۲)

اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں:

واوتوا به متشابها .

”جنت اور دنیا کے میوے ایک دوسرے کی شبیہ ہیں۔“

(پارہ ۱۰، بقرہ آیت ۲۵)

باغبانی اور شجر کاری باعث خیر و برکت ہیں

عن الحسن ابن علی قال قال النبی صلی اللہ علیہ

وسلم النخل و الشجر بركة علی اہله و علی عقبہم

بعدهم اذا كانوا لله شاکرین .

”حسن بن علی سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ

کھجور اور دوسرے درخت بونے والے کے موجودہ اہل و عیال کے لئے بھی باعث خیر و برکت ہیں اور بعد میں آنے والی نسل کیلئے بھی بشرطیکہ وہ شکر الہی کرتے رہیں۔“

(کنز العمال ج ۱۲، ص ۳۳۰)

فضائل کسب حلال

چونکہ زراعت اور شجر کاری رزق حلال اور کسب حلال کا اہم ذریعہ ہے لہذا کسب حلال کے جتنے فضائل ہیں وہ سب کے سب ان حضرات کو بدرجہ اتم حاصل ہیں جو اس پیشے کیلئے محنت و مشقت کرتے ہیں۔

کسب حلال فرض ہے

ثم بدأ محمد رحمه الله الكتاب بقوله طلب الكسب فريضة على كل مسلم، وفي رواية وقال طلب الكسب بعد الصلوة المكتوبة، الفريضة بعد الفريضة الخ.

وقال الله تعالى فاذا قضيت الصلوة فانتشروا في الارض وابتغوا من فضل الله يعنى الكسب والامر حقيقة

للوجوب . الخ .

”امام محمد رحمہ اللہ نے پھر اپنی کتاب کی ابتداء اس قول سے کی کہ کسب حلال اختیار کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور ایک روایت میں ہے کہ فرض نماز کے بعد کسب حلال ایک فرض کی ادائیگی کے بعد دوسرے فرض کو ادا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تم نماز جمعہ ادا کرو تو بلا تاخیر رزق حلال کمانے کیلئے زمین میں پھیل جاؤ، چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل درحقیقت واجب ہوتی ہے لہذا اس حکم کی تعمیل بھی واجب ہے۔“

(مبسوط ج ۳۰، ص ۲۳۵ و ۲۳۶)

تشریح:

واضح رہے کہ انسانی معیشت کے کسی بھی شعبے میں بقدر کفایت جدوجہد کرنا فرض ہے اور فرض عمل کی ادائیگی میں مصروف رہنا ہزاروں غیر فرض عبادات کی ادائیگی سے افضل ہے۔

بعض گناہ حلال مزدوری کے سوا کسی عبادت سے معاف نہیں ہوتے

علامہ سرحسی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

من الذنوب ذنوباً لا یکفرها الصوم ولا الصلوة ،
 قيل فما یکفرها يا رسول الله قال الهموم في طلب
 المعيشة الخ .

”گناہوں میں سے بعض وہ ہیں جو روزوں اور نمازوں سے معاف نہیں ہوتے، کسی نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! پھر وہ کس عمل سے معاف ہوتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ضروریات زندگی کمانے کیلئے محنت اور جدوجہد کرنے پر معاف کئے جاتے ہیں۔“

(مبسوط، ج ۳۰، ص ۲۵۸)

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت ، قال رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من امس کالاً من عمل یدہ ،
 امس مغفوراً له .

”حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص حلال مزدوری کر کے رات کو تھکاوٹ کی حالت میں سو جائے تو اس کے تمام

گناہ راتوں رات بخش دیئے جاتے ہیں۔“ (ترغیب ج ۱۲ ص ۵۲۳)
 علامہ امام غزالیؒ لکھتے ہیں

قال صلى الله عليه وسلم من امس وانيا من طلب
 الحلال بات مغفوراً له و اصبحت والله عنه راضٍ .
 ” حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس شخص پر رات آگئی ایسی
 حالت میں کہ وہ حلال کمانے کی مزدوری و مشقت سے تھکا ہوا تھا تو راتوں
 رات اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے اور وہ ایسی حالت میں صبح
 کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوگا۔“ (احیاء العلوم ج ۱۲ ص ۹۰)
 حلال دولت کمانے کیلئے سفر راہ خدا میں جہاد کے سفر سے
 افضل ہے

علامہ نحسیؒ لکھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے
 من مات دائباً فی طلب الحلال مات مغفوراً له ، و
 کان عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ یقدم درجة الکسب
 علی درجة الجهاد فیقول لان اموت بین شعبتی رحلی
 اضرب فی الارض ابتغی من فضل اللہ احب الی من ان

اقتل مجاہداً فی سبیل اللہ ، لان اللہ تعالیٰ قدم الذین
 یضربون فی الارض یتغون من فضله علی المجاہدین
 بقوله و آخرون یضربون فی الارض یتغون من فضل اللہ ،
 و آخرون یقاتلون فی سبیل اللہ .

”حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص ایسی حالت میں فوت ہوا
 کہ وہ رزق حلال کی تلاش میں گھوم پھر رہا تھا وہ بخشا ہوا اجل بسا اور
 عمر فاروقؓ کسب حلال کو جہاد فی سبیل اللہ پر برتری دیتے تھے اور فرماتے
 تھے کہ اگر مجھے حلال کی کمائی کیلئے سفر کرتے ہوئے اپنے کجاوے پر موت
 آئے تو یہ موت مجھے محبوب ہے راہ خدا میں شہادت کی موت سے، اس
 لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم (سورۃ مزمل) میں حلال کمائی کیلئے زمین
 میں سفر کرنے والوں کو مقدم کیا ہے ان لوگوں پر جو راہ خدا میں جہاد کرتے
 ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے بعض لوگ حلال کمائی
 کیلئے زمین میں سفر کرتے ہیں اور بعض دوسرے راہ خدا میں لڑتے ہیں۔“

(مبسوط ج ۳۰، ص ۲۳۵)

وضاحت: قرآن کریم نے سورۃ مزمل میں حلال کمائی اور تجارت
 کیلئے سفر کرنے کا درجہ راہ خدا میں سفر کرنے سے جو مقدم کیا ہے موجودہ دور
 کے تجربات کی روشنی میں عقل اور تجربات بھی یہی کہتے ہیں کہ آج کل جنگ

لڑنے اور جہاد کرنے کیلئے جن آلات حرب مثلاً ٹینکوں، بکتر بند گاڑیوں، ہوائی اور بحری جہازوں اور میزائلوں کی ضرورت ہوتی ہے، ان کیلئے اربوں نہیں کھربوں روپے کی ضرورت پڑتی ہے، اس لئے جب تک اسلامی حکومت اور مسلمان قوم کی مالی پوزیشن انتہائی مستحکم نہ ہو تب تک کسی طاغوتی قوت کے ساتھ بچہ آزمائی یا اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، آج طاغوتی قوتوں نے کشمیر، فلسطین، بوسنیا، افغانستان، عراق اور برما میں مسلمانوں کے خلاف اور ان کی عبادت گاہوں کی خلاف نگہی جارحیت شروع کی ہے لیکن مسلمان ممالک ٹس سے مس نہیں ہوتے اسلئے کہ امریکہ بہادر فوراً مالی امداد بند کرنے کی دھمکی دیتا ہے۔ یہ ہے قرآن کا اعجاز اور فاروقی بصیرت کی دوراندیشی۔

حلال کمائی کیلئے زمین کے کونوں تک جا پہنچنا نہ صرف

جائز ہے بلکہ اللہ کا حکم ہے

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں سورۃ الملک میں فرماتا ہے۔

فامشوا فی مناكبها و کلوا من رزقه ط

”حلال کمائی کیلئے زمین کے کونے کونے تک جا پہنچو اور اللہ

تعالیٰ کے رزق سے کھاتے رہو“۔

تشریح: آج کل بے علمی اور رسمی دین داری کے غلبے کے ماحول میں کتنے نوجوان ہیں جو مجبوری کے ہاتھوں اہل و عیال کے گزر اوقات کیلئے دور دراز ممالک میں گھر کی جدائی کے دن گن گن کر کاٹتے ہیں، دن بھر خون پسینہ ایک کرتے ہیں اور رات بھر مادر وطن کے درو دیوار خواب میں دیکھتے ہیں، اگر کوئی ان کے زخمی دلوں پر قرآن کریم کی آیات کا اتنا سا مرہم لگاتا کہ میرے محنت کش بھائیو! تم ایک عظیم عبادت اور اہم فریضہ ادا کر رہے ہو، تم اللہ کے محبوب بندے اور حضور علیہ السلام کے عزیز ترین امتی ہو، تو کم از کم یہ پر دیسی کچھ تو سکھ کا سانس لیتے، مگرستم ظریفی دیکھئے کہ قرآنی تعلیمات سے بیگانہ زاہدان خشک اوپر سے انہیں تہمت اور تشنیع و تنقید کا ہدف بھی بنائے رکھتے ہیں کہ دیکھو دنیا کیلئے بیوی بچے چھوڑ دیئے ہیں اور دین کیلئے کچھ بھی نہیں کرتے، گویا ان کے نزدیک ضرورت کی کمائی دین نہیں ہے۔

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: ” التاجر الصدوق الامین
یحشر مع النبیین والصدیقین و الشہداء“

” سچا اور امانت دار تاجر قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہداء
کے ساتھ اٹھے گا۔“ (ترمذی، الترغیب والترہیب)

حضور علیہ السلام نے ایک مزدور کے کھر درے خاک

آلودہ ہاتھوں کو چوم کر کیا بشارت دی؟

وفی الحدیث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صافح سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ فاذا یداه قد اکتب فسنئله النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذالک فقال اضرب بالمر والمسحات لانفق علی عیالی فقبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدہ وقال کفان یحبہما اللہ تعالیٰ“

” حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ہاتھ ملایا تو حضور علیہ السلام نے ان کے دونوں ہاتھ داغدار اور کھر درے پائے، حضور علیہ السلام نے سوال کیا کہ یہ کیوں؟ حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول (زمین کی مشقت کے اوزار) پہلچہ وغیرہ کے ساتھ مزدوری کرتا ہوں۔ اہل و عیال کے نان و نفقہ کیلئے، یہ سن کر حضور علیہ السلام نے ان کے ہاتھ چومے اور بشارت دی کہ یہ دونوں ایسی ہتھیلیاں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ پیار کرتا ہے۔“

(مبسوط، ج ۱۳۰ ص ۲۳۵)

نیز حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام سے مصافحہ کیا تو ان کی ہتھیلی کچھ کھر دری اور داغدار نظر آئی۔ حضور علیہ السلام

نے دریافت فرمایا کہ یہ داغ کیسے ہیں؟ آپ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نعل بندی کا کام کرتا ہوں اور اس سے اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتا ہوں، یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور خوشخبری دی۔

” ہذہ بدن لا تمسهما النار“ ”یہ وہ ہاتھ ہیں جسے آگ

نہیں چھوسکتی“ (اسدالغابہ)

قرآن کریم کا فرمان، کاشتکاری کے بارے میں

امام ابو بکر بصرہ صنفی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ”احکام القرآن ج ۲ ص ۶۵“ میں آیات قرآنی (واستعمرکم فیہا پارہ ۱۲، ہود، آیت ۶۱) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ زمین کو آباد کرنا اس میں کاشتکاری، زراعت وغیرہ واجب ہیں۔

آیات کی تشریح:

”استعمر“ دو ٹکڑوں سے بنا ہے۔ ”ا، س، ت“ جن کا مجموعہ است ہے اور ”ع۔ م۔ ر“ عمر، ”استعمر“ اس جملہ میں بنیادی لفظ ”عمر“ ہے۔ عربی لغت میں جس فعل اور کام کے صیغے اور لفظ کی ابتداء میں ”است“ مرکب کر دیا جاتا ہے تو اس کا معنی طلب اور

مطالبہ ہوتا ہے یعنی مخاطب سے اس کام کے کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اس ترکیب کا اصطلاحی نام ”باب استفعال“ ہے۔ جسے علم صرف کا مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے۔ دوسرا بنیادی لفظ ”عمر“ کے معنی اور مفہوم کی وضاحت امام لغت القرآن راغب اصفہانی، یوں فرماتا ہے، ”العمارة نقيض الخراب، يقال عمر ارضه“

عمارت کا معنی ہے ”خراب اور ویران“ کا مقابل اور جانب مخالف جب غیر آباد اور بنجر زمین کوئی آباد کرتا ہے تو عربی میں کہا جاتا ہے ”عمر ارضه“ اس نے اپنی زمین کو آباد کیا۔ پس آیت مذکورہ کا معنی یہ ہوا کہ ”اللہ تعالیٰ تم سے زمین کی آبادی کا مطالبہ کرتا ہے“ تو از روئے شریعت اس کام کو کرنا فرض اور واجب ہوتا ہے اور اس کام کو وجود میں لانے کیلئے جتنی محنت اور مشقت، خرچ و اخراجات کرنے پڑتے ہیں، وہ سب کچھ اعمال صالحہ اور راہ خدا میں شمار ہوتے ہیں اور اس کے برعکس زمین کی غیر آبادی، ویرانی اور بنجر پن کے جتنے اسباب و دواعی ہیں مثلاً تیار خوری، سستی و کاہلی یہ سب کچھ فساد فی الارض (زمین کے اندر خرابی اور بربادی) میں شمار ہونگے۔

علامہ جامی نے اپنی کتاب ”نفحات الانس“ مطبوعہ کلکتہ

کے صفحہ ۵۰۸ پر مشہور صوفی بزرگ شیخ ابوالمکارم سمنافیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ:

”خدا نے زمین کو زراعت، منفعت اور آبادی کی حکمت کیلئے پیدا فرمایا ہے جو شخص زمین کی زراعت اور آبادی کو چھوڑ دیتا ہے اس کو اگر اس گناہ کا علم ہو جائے جو زمین کے بخر اور ویرانی کی وجہ سے اس سے سرزد ہوا تو وہ ہرگز زمین کو خالی نہ چھوڑتا، اگر کسی زمین سے سالانہ ہزار من غلہ وغیرہ پیدا کیا جاسکتا ہے مگر مالک کی سستی اور غفلت سے نو سو من غلہ پیدا ہوا تو قیامت میں اس شخص سے ایک سو من غلہ کم پیدا ہونے کی باز پرس ہوگی۔“

زمین کی مقبوضات میں کمی اور بیشی کا راز

ایک وہ زمانہ تھا جب اسلامی سلطنت اور مسلمانوں کی مقبوضات ایک چھوٹی بستی مدینہ منورہ سے شروع ہوئیں اور رفتہ رفتہ مسلمانوں کی مقبوضات ایک طرف یورپ (سپین سسلی) تک جا پہنچیں اور دوسری طرف چین اور روس تک پھیل گئیں۔ آج بھی قرطبہ کی تعمیرات گواہی دے رہی ہیں کہ مسلمانوں نے زمین کی تعمیر و اصلاح، امن و امان اور فنون و ترقی کا وہ حق ادا کیا کہ یورپین اقوام مسلمانوں کی نقل اتارنے کو

باعث فخر سمجھنے لگی تھیں تفصیل کیلئے دیکھیں فرانسیسی محقق ڈاکٹر لی بان کی کتاب ”تمدن عرب“، مسٹر بریفالٹ کی ”تشکیل انسانیت“ اور غلام جیلانی برق کی کتاب ”یورپ پر اسلام کا احسان“ اور آخر کار زمین کا ۴۳ فیصد رقبہ مسلمانوں کے قبضہ اور تصرف میں آ گیا مگر گردش دوران نے ایسا پلٹا کھایا کہ مسلمانوں کی مقبوضات سمٹنا شروع ہو گئیں اور قدرت الہی روز افزوں مسلمانوں کی مقبوضات غیر مسلم اقوام کے حوالے کر رہی ہے۔ اس تنزلی اور زوال کے کئی اسباب گنے جا سکتے ہیں مگر اس کا معقول سبب حسب ذیل مثال سے سمجھ میں آ سکتا ہے۔

ایک مثال اور مشاہدہ:

اگر فرض کیا جائے کہ کسی مالک زمین نے دو مزارع اور کاشت کاروں کو مساوی رقبہ زمین ایک جیسے معین حصہ پر دیا۔ سال گزرنے کے بعد ایک کاشتکار نے مالک زمین کو اس کے حصہ کے ایک ہزار روپے دیئے اور دوسرے نے پانچ سو روپے دیئے۔ ظاہر بات ہے کہ مالک زمین پانچ سو روپے کی کمی دریافت کرے گا۔

عذر گناہ بدتر از گناہ:

اس باز پرس کے جواب میں وہ کہنے لگتا ہے، جناب! میرے

ساتھی نے جو زیادہ آمدنی حاصل کر لی ہے، اس کی بنیادی وجہ ہے کہ وہ تو چوبیس گھنٹوں میں آپ کی سلامی کیلئے یا کسی قسم کی نئی ضروری خدمات سرانجام دینے کے احکام حاصل کرنے کی غرض سے محض چند منٹ کیلئے حاضر ہو جاتا تھا اور باقی تمام اوقات کو کھیتی باڑی اور اس کی نگہداشت پر صرف کر رہا تھا اور جیسے کہ آپ جانتے ہیں کہ میں نے تو تمام اوقات آپ کیجوشامد، شام، خوانی، مدح سرائی اور آپ کی تعریف کرنے کیلئے وقف کر لئے تھے، مجھے تو زمین میں کھیتی باڑی اور اس کی نگہداشت کی فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔ اس لئے میری آمدنی کم ہوئی ہے۔ نتیجہً ہر مالک زمین ایسے حالات میں یہی فیصلہ کرے گا کہ جناب بے شک آپ میرے مداح ہیں، مگر میں نے زمین سے آمدنی حاصل کرنی ہے لہذا آپ کے قبضے میں جتنی زمین ہے اس سے میں تجھے بے دخل کر کے آپ کے مختی ساتھی کے حوالے کر رہا ہوں اور کوئی بھی سنجیدہ شخص مالک زمین کے اس فیصلے کو خلاف توقع قرار نہیں دے سکتا ہے۔

حاصل مثال:

جب اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں کھلے الفاظ کے ساتھ حکم دے رہا

ہے۔ (واستعمر کم فیہا) اللہ تعالیٰ تم سے زمین کی تعمیر، اصلاح اور آباد کرنے کا مطالبہ کرتا ہے اور بقول مفسر قرآن علامہ بھصاؒ اس آیت کے حکم کے تحت زمین کی آبادی اصلاح اور تعمیر فرض اور واجب ہے تو اس آیت پر یقین کرنا ”ایمان“ کہلاتا ہے اور اسی آیت کا تقاضا اور مطالبہ خداوندی کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ہدایات کے مطابق پایہ تکمیل تک پہنچانا عمل صالح ہے۔ اور ایسا کرنے والے اللہ کے نیک بندے (عباد اللہ الصالحین) ہونگے اور اگر مومنین تعمیر اور اصلاح زمین چھوڑ دیں گے تو اللہ تعالیٰ اس دنیا کی تعمیر کی مطلوبہ حکمت کے حصول کی خاطر غیر مسلم اقوام کو یہی ذمہ داری حوالہ کر دیں گے کیونکہ اس دنیا میں غیروں سے دنیا کی آبادی بلکہ دین کی بہبودی کا کام لینا بھی ممنوع نہیں ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

ان اللہ لیؤید ہذا الدین بالرجل الفاجر، او کما قال

علیہ السلام

”بے شک اللہ تعالیٰ دین اسلام کی خدمت فاجر اور جہنمی لوگوں

سے کرواتا ہے“

موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون سے کروائی، حضور علیہ السلام کی

نگہداشت کی خدمت ابوطالب سے لی۔ ایک جہاد میں ایک جہنمی شخص سے جہاد کی ایسی خدمت لی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اسکی بہادری کی گواہی دینے لگے، جس کے جواب میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ سب کچھ درست ہے مگر یہ شخص جہنمی ہے اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ زخموں کی تاب نہ لا کر خودکشی کر گئے۔ جب تک مسلمان ”علوم الانبیاء علیہم السلام“ کے دونوں شعبوں (علوم العبادات اور علوم المادیات) کی تکمیل کو دینی اور مذہبی فریضہ سمجھتے تھے اور زمین کی تعمیر، اصلاح اور آبادی کیلئے کوشاں تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں یکے بعد دیگرے مختلف ممالک کی فتح اور قبضہ کی کنجیاں حوالہ کرتے رہے، مگر جب سے مسلمانوں نے مادیات کی ترقی، زمین کی آبادی، باغبانی اور کاشتکاری کو عبادت، بندگی، تقویٰ اور عمل صالح کے منافی قرار دے دیا اور اپنی زندگی کو مستحبات، نوافل اور فضائل کے حصول کیلئے وقف کر دیا اور اسی میں قرآن کی تعلیمات اور انبیاء علیہم السلام کی پیروی کو محدود اور منحصر سمجھنے لگے۔ تب سے اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین کی تعمیر اور ترقی بلکہ خلافت زمین کے منصب سے بے دخل کرنا شروع کر دیا ہے۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ دنیا بھر میں کسی مذہب کے پیروکار اپنی مقبوضات سے اتنی کثیر تعداد میں بے دخل نہیں کئے جا رہے

ہیں جتنے کہ مذہب اسلام کے پیروکار، مسلمان مہاجرین کی تعداد کروڑوں تک جا پہنچی ہے، ہندوستان، کشمیر، برما، افغانستان، فلسطین، بوسنیا اور روس کی مسلم ریاستوں سے مظلوم مسلمان ملت کی نسل کشی سے بچنے کیلئے مرد، عورتیں، بچے اور بوڑھے جائے پناہ کیلئے حیران اور سرگرداں ہیں۔

۔ نہ جائے رفتن و نہ یارائے ایستادن

فاتح مصر حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کا ریکارڈ باغ

حضرت عمرو ابن العاص ایک جلیل القدر صحابی، عظیم مجاہد، فاتح مصر تھے، حضور علیہ السلام، خلفاء راشدین اور امیر معاویہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور خلافت میں گورنر رہ چکے ہیں۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں آپ کی کمان میں مسلم افواج نے مصر کو فتح کیا۔ ان اہم خدمات کے سرانجام دینے کیساتھ ساتھ آپ نے زمین کی تعمیر و آبادی کے شعبے میں بھی منشاء ایزدی کی تکمیل کیلئے تاریخ ساز اور قابل تقلید کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ امیر شکیب ارسلان اپنی کتاب "خشبة الارتسامات" صفحہ ۱۱۵ پر لکھتے ہیں:

عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی (وہط) نامی زمین پر جو کہ طائف میں واقع تھی، اس قدر انگور کے باغات لگائے تھے کہ ان کی

بیلوں کو چڑھانے کیلئے ان کو دس لاکھ ڈنڈے نصب کرنے پڑے۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

باغبانی اور کاشتکاری کیلئے گھر سے نکلنا راہ خدا میں

نکلنا ہے

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں صحیح احادیث اور فقہ حنفی کی معتمد اور قوی ترین کتاب ”المبسوط“ کے حوالہ سے عرض کیا گیا ہے کہ تمام پیشوں میں افضل ترین اور بابرکت پیشہ شجرکاری اور باغبانی ہے اور یہ بھی ہم پڑھ چکے ہیں کہ کسب حلال کا مقام راہ خدا میں نکلنے سے بڑھ کر ہے اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ تو کسب حلال کی تلاش میں موت پالینے کو راہ خدا میں شہادت پر ترجیح دیتے تھے اور ذکر شدہ دلائل کے بعد اگرچہ اس مسئلہ کے کسی پہلو میں بھی تشکیکی باقی نہیں رہی مگر قرآن و حدیث کے صحیح علوم سے بیگانگی اور اس کی جگہ ضعیف روایات اور بے سند حکایات اور قصے کہانیوں سے عوام الناس کے اذہان میں اس حد تک بگاڑ آچکا ہے کہ ایسی آیات اور احادیث کے ماننے کیلئے بلکہ سننے کیلئے بھی کوئی تیار نہیں جو ان خود ساختہ دین داری کی چند رسوم کے خلاف ہو لہذا اس امید پر کہ

شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

حضور علیہ السلام کا ایک فتویٰ بھی سن لیجئے!

عن كعب بن عجرة رضى الله عنه قال مرّ على النبی صلی الله علیه وسلم رجل فرأى اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم من جلده و نشاطه فقالوا یا رسول الله لو كان هذا فی سبیل الله فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان كان خرج یسعی علی ولده صغاراً فهو فی سبیل الله وان كان خرج یسعی علی ابوین شیخین کبیرین فهو فی سبیل الله وان كان خرج یسعی علی نفسه یعقها فهو فی سبیل الله وان كان خرج یسعی رباءً و مفاخرة فهو فی سبیل الشیطان رواه الطبرانی و رجاله رجال الصحیح .

” حضرت کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص کا حضور علیہ السلام پر سے گزر ہوا جو مزدوری اور کسب حلال کیلئے گھر سے نکلا تھا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کی قوت اور چستی دیکھ کر کہنے لگے کہ اے پیغمبر خدا کاش کہ اس شخص کی قوت و چابکدستی راہ خدا میں خرچ ہوتی، حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر یہ شخص گھر سے نکل کر اپنی اولاد کی ضروریات کیلئے دولت کمانا چاہتا ہے تو یہ راہ خدا میں نکلا ہوا ہے

اور اگر گھر سے نکل کر بوڑھے ماں باپ کی ضروریات کیلئے دولت کماتا ہے تو بھی راہ خدا میں نکلا ہوا ہے اور اگر یہ شخص گھر سے نکل کر اپنی ذات کیلئے کماتا ہے تا کہ سوال اور گداگری سے محفوظ رہے تو بھی راہ خدا میں نکلا ہے اور اگر یہ شخص گھر سے نکل کر دکھاوے اور فخر و غرور کی نیت سے دولت کمانا چاہتا ہے تو اس کا نکلنا راہ شیطان میں ہے۔“

(الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۵۲۲)

توضیح:

مسلمان کیلئے اس سے بڑی خوش نصیبی اور خوش خبری کیا ہو سکتی ہے کہ باغبانی اور کسب حلال کے متعلق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے بیان کردہ فضائل پر جب یقین کرتا ہے تو یہ عمل اس کیلئے ”ایمان“ بن جاتا ہے اور جب مذکورہ مقاصد کے حصول کیلئے جدوجہد اور خرچ کرنا شروع کرتا ہے تو یہ سب کچھ اس کیلئے اعمال صالحہ جہاد فی سبیل اللہ اور راہ خدا میں نکلنا لکھ دیا جاتا ہے۔

اہل و عیال کیلئے نان و نفقہ اور ضروریات زندگی ذخیرہ
کرنے کا حکم

آج کل عام طور پر سننے میں آتا ہے کہ ضروریات زندگی اور اہل و عیال کیلئے منصوبے کے تحت آنے والے حالات کے پیش نظر ذخیرہ اندوزی کرنا اور مال و دولت جمع کرنا اسلامی تعلیمات کے منافی اور توکل علی اللہ کے خلاف ہے، نیز اللہ تعالیٰ پر ایمان کی کمزوری کی علامت ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر یاد رہے کہ اس قسم کی باتیں وہ لوگ کر سکتے ہیں جو قرآن و سنت کے حقیقی اور صحیح علوم سے بے خبر ہیں چند حکایات اور اولیاء اللہ کے مخصوص واقعات، مجاہدات یا غیر مستند روایات، واعظوں کے قصوں اور کہانیوں کو دین اسلام کا معیار اور سند سمجھتے ہیں حالانکہ اسلامی تعلیمات کا ایک بنیادی اصول منصوبہ بندی ہے۔ وکل شئی عندہ بمقدار اللہ کے ہاں ہر ایک چیز پیشگی منصوبے کے تحت ہے۔ تفصیل کیلئے بندہ کی تالیف ”علوم الانبیاء اور تنخیر کائنات“ کا مطالعہ فرمائیں۔

علامہ سرحسیؒ لکھتے ہیں:

فان اکتسب زیادة علی ذالک ما یدخره لنفسه و عیالہ فهو فی سعة من ذالک لما روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ادخر قوت عیالہ لسنة بعد ما کان نہی عن ذالک علی ما روی انه صلی اللہ علیہ وسلم قال لبلال

رضی اللہ عنہ انفق بالالاء ولا تخش من ذی العرش اقلالاء،
والمناخر یكون ناسخاً للمتقدم .

” اگر کوئی شخص ضرورت سے زیادہ مال و دولت کمانا چاہتا ہے
تا کہ اسے اپنے لئے اور اپنے اہل و عیال کیلئے ذخیرہ کرے تو بھی جائز ہے
اس لئے کہ روایات سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنی بیویوں اور
اہل و عیال کی ضروریات کے مطابق سال بھر کیلئے ذخیرہ جمع کیا تھا حالانکہ
ابتداء اسلام میں حضور علیہ السلام ذخیرہ اندوزی سے منع کیا کرتے تھے
جیسا کہ روایات میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلالؓ کو حکم دیا
تھا کہ اے بلال! جو کچھ تیرے پاس ہے سب کچھ خرچ کرو، کل کیلئے نہ
چھوڑو اور یہ خوف نہ کرو کہ عرش والے کے پاس کسی چیز کی کمی ہے یا وہ کم
کردے گا چونکہ حضور علیہ السلام کا ذاتی عمل یعنی سال بھر کیلئے ذخیرہ
اندوزی کا عمل حضور علیہ السلام کی آخری زندگی کا عمل ہے لہذا یہ حکم ناسخ
ہے۔ اس حکم کیلئے جو آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیا تھا۔“

(مبسوط ج ۳۰، ص ۲۵۶)

شریعت میں متوکل اور تیار خور کا حکم

علامہ سرخسیؒ توکل کی بحث کے ضمن میں مزاج شناس شریعت

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں

و قد تبین هذا عمر رضی اللہ عنہ فی حدیثہ حیث
مر بقوم من القرءاء فراہم جلو ساقد نکسوا رؤسہم فقال
من هولاء فقال ہم المتوکلون فقال کلا و لکنہم
المتأکلون یا کلون اموال الناس الا انبئکم من المتوکلون
فقیل نعم فقال هو الذی یلقى الحب فی الارض ثم یتوکل
علی ربہ عزّ وجل و فی روایة اخرى عنہ ، قال یا معشر
القرءاء ارفعوا رؤسکم واکسبوا لانفسکم .

” توکل کا مطلب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک
حدیث میں بیان فرما دیا ہے کہ جب آپ کا گزر ہوا قرءاء کی ایک ایسی
جماعت پر جو اپنے سروں کو نیچے جھکا کر بیٹھے تھے تو آپ نے فرمایا کہ یہ
کون لوگ ہیں؟ کسی نے بتایا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والے
ہیں، عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ یہ لوگ
مفت خور ہیں۔ لوگوں کا مال و دولت کھاتے رہتے ہیں اور پھر آپ نے
فرمایا کہ میں آپ کو اللہ پر توکل کرنے والے لوگ بتا دوں؟ کسی نے عرض
کیا کہ ضرور بتا دیجئے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (ازروئے

شریعت) توکل کرنے والا وہ ہے جو زمین میں کھیتی باڑی کیلئے تخم ریزی کرنے کے بعد اللہ عزوجل پر توکل کر لیتا ہے۔ ایک روایت میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے قراء کی جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اپنے سروں کو اونچا کرو اور اپنے لئے حلال کمانے کی خاطر کسب و مشقت کیا کرو۔

(مبسوط ج ۳۰ ص ۲۲۸)

حاصل کلام:

حضور علیہ السلام کی گھریلو ضروریات کی پیشگی منصوبہ بندی اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فرمان سے ثابت ہوا کہ دونوں جہاں کے مستقبل کو روشن تر اور کامیاب بنانے کیلئے ممکنہ اسباب اختیار کرنا اور قبل از وقت مستحکم بنیادوں پر منصوبہ بندی کرنا اور پھر نتائج اور ثمرات اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنا نہ تو ایمان کی کمزوری کی علامت ہے اور نہ توکل کی خلاف ہے بلکہ ایسا کرنا عین اسلام اور شریعت کے مطابق ہے۔

دیکھئے کہ مفت خوروں کی یہ دلیل کہ ہمیں روزی کی فکر نہیں کرنی چاہیے، روزی کی ذمہ داری روزی رساں ذات نے اپنے ذمے لے رکھی ہے بعینہ یہی گمراہ کن دلیل بے دین لوگ پیش کرتے ہیں کہ دین اسلام کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمے لے رکھی ہے۔

(قوله تعالى) انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون ۝

(پارہ الحج، آیت ۹)

”بے شک ہم نے قرآن نازل کیا اور بے شک ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“

لہذا جس دین کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لے رکھی ہے تو ہم کون ہیں کہ اس کی حفاظت کے لئے دوڑ دھوپ کرتے پھریں نیز یہی لوگ کہتے ہیں کہ تقدیر کے قلم نے اہل جنت اور اہل دوزخ کی جو لسٹ بنا رکھی ہے اس میں کسی تبدیلی، کمی اور بیشی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لہذا ہمیں اللہ تعالیٰ پر توکل بھروسہ کر لینا چاہیے، عبادات سے کچھ نہیں ہوتا، حالانکہ اس قسم کی ذہنیت خواہ دین کے بارے میں ہو یا دنیا کے بارے میں اسلامی تعلیمات کے منافی ہے اسلامی تعلیمات یہی ہیں کہ دونوں جہانوں کی ترقی کیلئے اسباب اختیار کرنے میں بھرپور کوشش اور جدوجہد کرنا انسان کا فریضہ ہے اسباب کے نتائج نہ ہمارے اختیار میں ہیں اور نہ ہم اس کے مکلف ہیں۔

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔

اعمل لدنیاک کانک تغلداً ابداً. و اعمل لآخرتک

کانک تموت غداً.

”دنیاوی معاش کیلئے (ایسے مستحکم منصوبے کے ساتھ) کام کرو جیسے تو نے ابد الابد تک یہاں رہنا ہے اور آخرت کیلئے اس قدر چاہکدستی سے کام کرو جیسے کہ تم نے کل مرنا ہے۔“
(سائنس اور اسلام ص ۲۱۱ تالیف مولانا شمس الحق افغانی)

مفت خوردونوں جہانوں میں خوار

فطرت کے اٹل اور ناقابل تغیر قوانین میں سے ایک قانون
”قانون مجازات“ ہے یعنی جو بونے گا وہی کاٹے گا بقول شاعر
ز گندم جو ز جو گندم نزا ید
ز مردم سگ ز سگ مردم نزا ید
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وان لیس للانسان الا ما سعی

”انسان کیلئے وہی کچھ ہے جو اس نے عمل کیا ہے۔“

قولہ تعالیٰ: لها ما کسبت .

”ہر ایک نفس کیلئے وہی ہے جو اس نے کسب کر لیا ہے۔“

فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره ۝ ومن يعمل مثقال

ذرة شرا يره .

”سو جس نے ذرہ بھرا چھائی کی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے

ذرہ بھرا برائی کی وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔“

(پ ۳۰، الزوال)

قدرت کا یہ قانون مجازات عام اور مطلق ہے نہ تو کسی ایک جہاں

کے ساتھ خاص ہے اور نہ ہی کسی مخصوص جماعت اور فرد کے ساتھ۔ جس کا

خلاصہ یہی ہے کہ تیار خوردار دنیا میں ذلیل و خوار رہے گا اور دار آخرت

میں بھی محتاج اور بے کس۔

مفت خور عبادت گزار سے محنت کش مسلمان افضل ہے

عن ابی قلابة رضی اللہ عنہ ان ناساً من اصحاب

النبی علیہ السلام قدموا یشنون علی صاحب لہم خیراً ،

قالوا ما رأینا مثل فلان هذا قط ما کان فی سیر الا کان فی

قراءة ولا نزلنا فی منزل الا کان فی صلوة قال فممن یکفیه

ضیعتہ حتی ذکر ومن کان یعلف جملہ او دابته؟ قالوا

نحن قال فکلکم خیر منه .

” حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام کے پاس اصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین آگئے اور اپنے ایک ساتھی کی تعریف کرنے لگے کہ ہم نے اس فلاں جیسے عبادت گزار انسان کو کبھی نہیں دیکھا ہے۔ جب ہم دوران سفر ہوتے تھے تو یہ مسلسل قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے اور جب اتر کر ٹھہرتے تو یہ شخص نوافل پڑھنے لگتا۔ پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ پھر اس شخص کی کھیتی باڑی کی ضروریات کون سرانجام دیتا؟ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ اس کے اونٹ اور سواری کے جانوروں کو چارہ وغیرہ کون کھلاتا؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم اس کی تمام ضروریات سرانجام دیتے تھے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک اس عبادت گزار سے بہت بہتر اور افضل ہے۔“

(الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۹۳)

روی ان عیسیٰ علیہ السلام رای رجلا ، فقال ما تصنع؟ قال اتعبد ، قال من یعولک؟ قال اخی ، قال اخوک اعبد منک .

” روایت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ایک آدمی دیکھا تو اس سے دریافت کیا کہ تو کیا کام کرتا ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں نے اپنی ساری زندگی عبادت کیلئے وقف کر لی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ تیری گھریلو ضروریات کون سرانجام دیتا ہے؟ اس نے بتایا کہ سب کچھ میرا بھائی کرتا ہے تو عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تیرا بھائی تجھ سے کہیں زیادہ عبادت گزار ہے۔

(احیاء العلوم ج ۲ ص ۶۲)

تشریح:

(الف) جو کچھ وجود میں آتا ہے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسباب وغیرہ کسی چیز کا محتاج نہیں چاہے کسی کی پیاس پانی پینے بغیر بھادے اور کسی کی پیاس مسلسل پانی پی کر بھی نہ بجھائے۔

(ب) اللہ تعالیٰ کی عادت جار یہ یہی ہے کہ جو کچھ کرتا ہے وہ اسباب اور علل کی وساطت سے کرتا ہے مثلاً دن لاتا ہے سورج کے طلوع ہونے کے نتیجے میں، اندھیری رات وجود میں لے آتا ہے سورج غروب ہونے کے نتیجے میں، اسی طرح ہر چیز، ہر قول و عمل میں اللہ تعالیٰ نے اچھے یا برے نتائج اور اثرات رکھے ہیں جس کسی نے جو کوئی قول و عمل کیا اس کے مخصوص نتائج اور اثرات اسکے پاؤں کی زنجیر بنیں گے، لہذا دونوں جہانوں کی اچھائیاں

اور برائیاں اچھے یا برے اعمال کے کسب کی مرہون منت ہیں۔
 (ج) بعض اوقات بغیر ظاہری اسباب و علل کے اللہ تعالیٰ کسی چیز کو وجود بخش دیتا ہے جیسے آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا یا عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا یا کسی ولی اللہ کے گھر کا تنور خود بخود دروٹیوں سے بھر گیا یا خود بخود چکی چلنے لگی اور دانے ڈالے بغیر آٹا پھینکنے لگی یا موسیٰ علیہ السلام بمعہ بنی اسرائیل بغیر ظاہری اسباب کے دریائے قلزم پار کر گئے۔ اور کبھی کبھار ظاہری اسباب اپنے مخصوص اور معروف نتائج کے برعکس الٹے نتائج دیتے ہیں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود کی بھڑکائی ہوئی آگ نے جلا یا نہیں بلکہ آپ کی سلامتی اور تحفظ کی خدمت سرانجام دی، جب اللہ تعالیٰ اس نوعیت کا کوئی کام کرتا ہے تو اسے ”مخرق عادت“ یعنی خلاف عادت کہا جاتا ہے۔ ایسا شاذ و نادر ہوا کرتا ہے۔

شاید اس قسم کی قدرت کے اظہار میں انسانوں کو یہ سمجھنا بھی مقصود ہو کہ تم زندگی بھر چیزوں اور اعمال و اقوال میں جو تاثرات اور خصوصیات دیکھتے چلے آئے ہو یہ نتائج اور ثمرات ان کے ذاتی نہیں ہیں بلکہ میں نے ان میں ودیعت کر دی ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ میں نے جب آگ سے حرارت اور گرمی چھین لی تو وہ میرے دوست کو نہ جلا سکی، لہذا

مادہ پرست نہ بنو بلکہ خدا پرست بنے رہو۔

(د) جب کوئی خلاف عادت کام کا ظہور کسی نبی کے ہاتھوں ہو جاتا ہے تو اسے معجزہ کہا جاتا ہے اور جب ایسا ہی کوئی کام کسی ولی اللہ کے ہاتھوں ظاہر ہو جاتا ہے تو اسے کرامت کہا جاتا ہے۔ معجزہ اور کرامت کسی انسان کی قدرت اور اختیار میں نہیں ہوتا۔ لہذا نہ تو شریعت اسلامی انسانوں کو معجزات اور کرامات کے ظہور کے انتظار کی تعلیم دیتی ہے اور نہ ہی انسان اس کا مکلف ہے بلکہ انسان کو اسباب اختیار کرنے کا مکلف بنایا گیا ہے، انسان کا فرض ہے کہ وہ خود اپنی اور اپنے زیر کفالت اہل و عیال کی زندگی کو دنیاوی اور اخروی تکلیفات سے بچانے کے مقدور بھر اسباب اختیار کرے اور معجزات و کرامات کے ظہور کے لئے اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے نہ بیٹھے۔

فرمان فاروقی:

مزاج شناس شریعت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

لا يقعد احدكم عن طلب الرزق يقول اللهم

ارزقني فقد علمتم ان السماء لا تمطر ذهبا و لا فضة“

” تم میں سے کوئی بھی مفت خوری کی روش نہ اپنائے کہ رزق

حلال کے حصول کیلئے محنت و مشقت چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں دست

دعا پھیلاتا رہے کہ اے اللہ! مجھے کھلا دیجئے، کیونکہ تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے سونا چاندی نہیں برساتا۔“

(احیاء العلوم ج ۲ ص ۶۲)

آسمان کی طرف سے رزق اور آسمانی فیصلوں کی اقسام آسمان کی طرف سے نزول رحمت یا آسمانی فیصلے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک بطور ”خرق عادت“ یعنی بلا اسباب ظاہری جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے حواریوں کیلئے آسمان سے تیار کھانا ”ماندہ“ نازل ہوا جسے وہ مفت میں کھا لیتے تھے یا بعض دوسرے انبیاء اور اولیاء کیلئے اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف سے خلاف عادت ضروریات زندگی مہیا فرما دیئے۔ دوسری قسم کارزق وہ ہے جو عادت اللہ یعنی دنیاوی اسباب کے تحت نازل ہوتا ہے۔

مثلاً سورج کی کرنیں سمندر اور زمینی دریاؤں سے پانی کے ڈول بھر بھر کر ہواؤں کے دوش پر لادتی رہتی ہیں اور پانی سے لدی ہوئی ہوائیں قدرت کی طرف سے نامزد کردہ علاقوں تک پانی لے جا کر بادل بنا دیتی ہیں۔ بادل اسی پانی کو قطرہوں کی شکل میں برسا کر نہریں، ندیاں اور چشمے بہا دیتے ہیں اور پھر حضرت انسان محنت و مشقت سے اس نازل

کردہ پانی کو استعمال میں لا کر بے شمار نعمتوں سے جھولی بھر لیتا ہے۔ گویا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس آیت کریمہ کی تفصیل اور مفہوم سمجھا رہے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قوله تعالى: و في السماء رزقكم و ما توعدون.
 ”اور تمہاری روزی آسمان میں ہے اور وہ سب کچھ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔“

(پارہ ۲۶، الذاریات، آیت ۲۲)

اس آیت کریمہ میں اس بات کی گنجائش ہے کہ ممکن ہے کوئی یہ سمجھ بیٹھے کہ جب آسمان سے روزی بھیجی جاتی ہے اور ہماری قسمت اور مقدر کے فیصلے آسمانوں پر کئے جاتے ہیں تو ہم کیوں روزی کی تلاش اور کسب معاش کے پیچھے گھومتے پھریں؟ اور ہم کیوں تقویٰ اور عبادت اپنانے اور گناہ چھوڑنے کیلئے مجاہدات اور تکلیفات جھیلتے رہیں؟ کیوں نہ ہم دونوں جہانوں کی نعمتوں سے جھولیاں بھرنے کیلئے بیٹھے بیٹھے اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہیں؟۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس زعم باطل کو رد فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے روزی نازل فرماتا ہے تمام فیصلے آسمان سے نازل کرتا ہے مگر ”خرق عادت“، یعنی اسباب کے خلاف نہیں بلکہ اسباب

اور کسب و عمل کے نتیجے میں، لہذا تلاش رزق کیلئے مقدر بھر جدوجہد کرنا ہوگی، معجزات اور کرامات کے ظہور کے انتظار میں نہ بیٹھیں کیونکہ تمہارا مشاہدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے سونا چاندی نہیں برساتا۔

آج مسلمانوں کے مذہبی حلقے بھی تیار خوری کا باعث

بننے جا رہے ہیں

قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ محققین علماء کی قلت اور وعظ کرنے والوں کی کثرت ہوگی۔ آج کل وعظ اور قصہ گوئی کا دور دورہ ہے، سامعین کو یہی باور کرایا جاتا ہے کہ اسباب و مادیات میں کچھ نہیں سب کچھ خالق کائنات کرتا ہے، اولیاء اللہ کی حکایات سنا دینے جاتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے خلاف عادت ان کے ہاتھوں کرامات کا ظہور فرمایا مثلاً یہ کہ فلاں ولی اللہ سے بیوی نے کہا کہ کہیں جا کر مزدوری کر کے کچھ کھانے کیلئے لے آؤ، اس نے کہا کہ ٹھیک ہے تو تنور گرم کر، میں کچھ لاتا ہوں، ولی اللہ صلوٰۃ حاجت پڑھنے کیلئے مسجد گئے اور ادھر تنور روٹیوں سے بھر گیا لہذا سب کچھ چھوڑ کر صلوٰۃ حاجت پڑھو، فلاں فلاں اور ادووظائف پڑھو، تمہاری دنیا اور آخرت کے کام غیب سے فرشتے سرانجام دیں گے اور کروڑوں خرچ کرنے کے ثواب و درجات

میں گے نیز تمہارے جسم پر جہنم کا دھواں تک اللہ تعالیٰ حرام کر دے گا، نتیجہ یہ نکلا کہ آج مسلمانوں میں دنیا کیلئے محنت و مشقت کا جذبہ ختم ہوا اور وہ چند مستحبات اور نوافل کو دونوں جہانوں کی کامیابی کی کنجی سمجھنے لگے۔ اب ایسے انجانوں کو کون سمجھائے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کرتا ہے، تمام انسان مل کر گندم کا ایک دانہ زمین سے پیدا نہیں کر سکتے اور نہ ہی کوئی اپنے عمل سے جنت حاصل کر سکتا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحم سے کرتا ہے مگر ان اسباب اور اعمال کے نتیجے میں جو اللہ تعالیٰ نے دنیاوی مقاصد کے حصول کیلئے متعین فرمادیئے ہیں اگر کوئی اولاد چاہتا ہے تو مسنون طریقہ اپنانا ہوگا یعنی نکاح کر کے بیوی سے ہم بستری کرنا ہوگی اور اگر خاوند اور بیوی میں نامردی یا بانجھ پن کی بیماری ہو تو اس کا بھی علاج کرنا ہوگا، اس طویل کسب و عمل کے بعد اللہ تعالیٰ سے اولاد کی دعا کرنا ہوگی کیونکہ رحم مادر کے اندر نطفہ منی سے انسان بنانا کسی انسان کے بس کی بات نہیں یہ محض اللہ تعالیٰ کی رحمت و فضل سے وجود میں آتا ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص اللہ کے عطا کردینے کا یہ مطلب سمجھتا ہے کہ اولاد مانگنے کیلئے مسنون طریقہ اپنانے کی ضرورت نہیں بلکہ اللہ پر توکل

اور ایمان کی قوت اور نیک عمل سے اولاد حاصل کی جاسکتی ہے مثلاً صلوة حاجت پڑھ پڑھ کر مسجد میں سجدوں پر سجدے کرتا رہتا ہے، میدان جنگ میں یا میدان عرفات میں دعا و زاری کرتا رہتا ہے یا ختم قرآن، ختم بخاری شریف اور ختم خواجگان پڑھتا ہے کہ یا اللہ تو وہی قادر مطلق ہے جس نے آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا فرمایا اور عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا، لہذا میں کمزور ایمان والا نہیں بننا چاہتا مجھے بھی بغیر کسب و عمل اور بغیر بیوی کے اولاد سے نواز دے تو کیا ایسے شخص کو پوری دنیا احق اور دیوانہ نہیں سمجھے گی؟ یہی ہے وہ نقطہ اور راز جس سے اللہ پر توکل کرنے اور بندہ کے کسب و عمل کرنے کے بارے میں قرآن و احادیث کی بظاہر متضاد نصوص کی مشکل گتھی سلجھ سکتی ہے۔ اسی پر دنیا کی ترقی اور نعمتوں اور آخرت کی نعمتوں اور جنتوں کے حصول کے مسائل قیاس کئے جاسکتے ہیں، سب کچھ دینے والا اور کرنے والا اللہ ہی ہے مگر مفت میں نہیں محنت و مشقت کے نتیجے میں اور اسباب اختیار کرنا ضروری ہے۔

محنت ہی پہ موقوف ہے آسائش گیتی
کوئی میری راحت میری راحت طلبی نے

یہ محنت چونکہ اللہ کے دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ ایک قانون ہے، لہذا اللہ تعالیٰ نے جس نعمت کے دینے کیلئے جو محنت اور ذریعہ مقرر کیا ہے اور جس مقدار میں مقرر کیا ہے وہی محنت اسی مقدار میں بروئے کار لانا ہوگی تب اللہ کے دینے کیلئے بہانہ یا شرط موجود ہوتی، اب اللہ سے دعا مانگو اور دینے کی امید رکھو بلکہ غالب امید رکھو مثلاً پیاس بجھانے کیلئے پانی پینے کی مطلوبہ محنت کرو اور بھوک ختم کرنے کیلئے کھانے کی چیز کیلئے مطلوبہ محنت و کسب کرو۔ تب اللہ تعالیٰ آپ کی چاہت کو پورا فرمائے گا اگر آپ نے پیاس بجھانے کیلئے پانی پینے کی بجائے کھانا کھانا شروع کیا تو یقیناً نتیجہ الٹا نکلے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی پیاس کو مزید بڑھائیگا اگرچہ اللہ اس پر قادر ہے کہ روٹی کھانے سے آپ کی پیاس بجھا دے مگر ایسا نہیں کرے گا اس لئے کہ یہ عادت اللہ کے خلاف ہے۔

آخر زمانہ میں انسان کیلئے مفید تر چیز کون سی ہوگی؟

عن ابی بکر بن مریم قال کانت لمقداد بن معد یکرب جاریة تبیع اللبن و یقبض المقداد ثمنه فقیل له سبحان الله أتبیع اللبن و تقبض الثمن فقال نعم و ما باس بذالك سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول

لیأتین علی الناس زمان لا ینفع فیہ الا الدینار رواہ احمد .
 ”ابی بکر بن مریم سے روایت ہے کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی
 ایک لونڈی تھی جو حضرت مقداد کیلئے دودھ فروخت کرتی تھی اور اس کی رقم
 حضرت مقداد لیتے تھے۔ پس کسی نے ان سے کہا کہ سبحان اللہ تم رقم لے کر
 دودھ فروخت کرتے ہو، آپ نے کہا کہ ہاں اور اس میں کوئی عیب کی
 بات نہیں، میں نے خود حضور علیہ السلام سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے
 فرمایا کہ لوگوں پر ضرور ایسا زمانہ آئے گا کہ انسان کو دولت کے بغیر کوئی چیز
 فائدہ نہیں دے گی۔“

(مشکوٰۃ شریف، باب الکسب وطلب الحلال ص ۲۴۲)

عن سفیان الثوری قال کان المال فیما مضی یکره
 فاما الیوم فهو ترس المومن و قال لو لا هذه الدنانیر
 لتمنل بنا هؤلاء الملوک و قال من کان فی یدہ من هذه
 شیئی فلیصلحہ فانہ زمان ان احتاج کان اول من یبذل دینہ
 و قال الحلال لا یحتمل السرف . رواہ فی شرح السنة .
 ” سفیان ثوری سے روایت ہے کہ ماضی میں مال و دولت کو برا
 سمجھا جاتا تھا مگر آج کل یہ مومن کے دین و دنیا کیلئے ڈھال ہے اور فرمایا

کہ اگر یہ دینار نہ ہوتے (یعنی اگر ہمارے پاس یہ سونا نہ ہوتا) تو موجودہ حکمران اور بادشاہان ہم سے تولیہ بنا لیتے (یعنی ہماری محتاجی سے فائدہ اٹھا لیتے) اور فرمایا کہ جس کے ہاتھ میں دولت ہو تو چاہیے کہ اسے بڑھائے (یعنی حلال کسب و تجارت سے اس میں اضافہ کرنے کی کوشش کرتا رہے) کیونکہ آج کل وہ زمانہ ہے کہ اگر کوئی محتاج ہو تو سب سے پہلے دین کو فروخت کرے گا اور فرمایا کہ مال حلال میں اسراف نہیں (خواہ کتنا ہی کثیر کیوں نہ ہو)۔“

(مشکوٰۃ، باب استحباب المال والعمر للطاعة ص ۳۵۱)

شارح مشکوٰۃ ملا علی قاریؒ اسی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ زمانہ ماضی میں مال و دولت اولیاء اللہ اور اہل حال اتقیا کیلئے برا سمجھا جاتا تھا نہ کہ عام مسلمانوں کیلئے مگر اس زمانہ میں خواص اور عوام کیلئے ڈھال ہے حرام اور مشتبہ چیزوں، ظالم و جابر حکمرانوں، سرداروں وغیرہ کی ہم نشینی، دوستی اور ملازمت سے یہی مال حلال بچائے گا لہذا چاہیے کہ مال و دولت کو ضائع نہ کرے بلکہ تجارت کے ذریعے اس کو بڑھائے اور اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ طالبان حق اور مذہبی لوگ رزق حلال کیلئے کوشاں رہیں۔

(مرقات، ج ۱۰، ص ۴۱)

حضرت سفیان ثوریؒ کا مقام اور شخصیت

هو السفیان الكوفی امام المسلمین و حجة الله على خلقه جمع في زمنه بين الفقه والاجتهاد فيه والحديث والزهد، والعبادة والورع والثقة واليه المنتهى في علم الحديث وغيره من العلوم اجمع الناس على ديانتته وزهده وورعه وثقته ولم يختلفوا في ذلك وهو احد الائمة المجتهدين و احد اقطاب الاسلام و اركان الدين .

”سفیان ثوریؒ کوفہ کے رہنے والے ہیں مسلمانوں کے امام اور اللہ کی طرف سے لوگوں پر حجت اور دلیل ہیں انہوں نے اپنے زمانہ میں فقہ، اجتہاد، علم حدیث، زہد و عبادت، تقویٰ اور اعتماد کو یکجا کیا (یعنی یہ تمام اوصاف آپ کی ذات گرامی میں جمع تھے) علم حدیث اور دیگر علوم کی انتہا آپ پر ہے۔ آپ کے زمانہ کے تمام لوگوں نے آپ کی دیانت، زہد و تقویٰ اور ثقہ ہونے پر اجماع اور اتفاق کیا ہے جس میں کسی کو اختلاف نہ تھا کہ آپ ائمہ مجتہدین میں سے تھے۔ اسلام کے لئے قطب اور دین کیلئے ستون تھے۔“

(الاکمال فی اسماء الرجال، لصاحب مشکوٰۃ)

چونکہ سہل پسندی اور تیار خوری کی وبا آج کل مسلمانوں میں بالعموم اور قبائل میں بالخصوص عام ہوتی جا رہی ہے۔ دن بھر بازاروں، ہوٹلوں، چائے خانوں اور پولیٹیکل حکام کے دفاتروں میں لوگوں کا انبوہ رہتا ہے نیز مذہب سے لگاؤ رکھنے والے حضرات اپنی فرض ذمہ داریاں چھوڑ کر مستحبات اور نفلی عبادات کو فرض کا درجہ دینے لگے ہیں، بعض حضرات دنیاوی کسب و عمل کو بے دینی سمجھنے لگے ہیں اور بعض اسے عار سمجھتے ہیں بلکہ لوگوں سے سوال کر کے مانگنا اپنا حق سمجھتے ہیں کہ میں نے تو دین اور عبادت کیلئے زندگی وقف کر لی ہے اور یا اپنی حالت کا مظاہرہ اس انداز سے لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ وہ صراحت کے ساتھ سوال کرنے سے زیادہ مؤثر سوال ہوتا ہے۔ بعض کے اہل و عیال مجبوری سے قرب و جوار والوں سے قرضوں کے نام سے گداگری پر مجبور ہو جاتے ہیں اور حسرت کی بات یہ ہے کہ اس غیر اسلامی روش کو انبیاء علیہم السلام کی پیروی اور عین اسلام اور دین داری کا رنگ دیا جا رہا ہے۔ اسلئے میں نے اس بحث کو ذرا طول دیا۔ شاید کسی کی نگاہ میں غیر ضروری دکھائی دے۔

باغات میں اعلیٰ ترین پودے لگانا شرعاً مطلوب ہے

از روئے شریعت ہر نیک کام میں تین درجات ہیں۔

(۱) ادنیٰ (۲) متوسط (۳) اعلیٰ

شریعت چاہتی ہے کہ مسلمان ہر نیکی میں علو شان اور بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کریں۔ باغبانی کے متعلق حضور علیہ السلام کی یہی تعلیمات ہیں اور امت سے یہی چاہتے ہیں اور ایسے عمل کرنے والے کے ساتھ آپ کی دعائیں ہیں۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ شجر کاری میں اعلیٰ اور منفعت بخش پودے لگانے کا انتخاب کریں۔

عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ارضکم رفعت لی منذ قعدتم الی فنظرت من ادناها الی اقصاها فخير تمراتکم البرنی یدھب الداء ولا داء فیہ۔

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام رضون اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا کہ جب سے تم میرے پاس بیٹھے ہو اس وقت سے تمہاری زمین میرے سامنے لا کر دکھا دی گئی ہے۔ میں نے اس کو آخری حد و تک اچھی طرح دیکھ لیا۔ تمہارے کھجور (کے باغات) میں سے بہترین کھجور ”برنی“ ہے (جو کھجور کی ایک اعلیٰ قسم ہے) جو بیماری کے لئے شفاء ہے اور اس میں کوئی گزند نہیں ہے۔“

(کنز العمال ج ۱۴، ص ۳۴۱)

عن محمد بن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارک اللہ فی الجذامی و فی
حدیقة خرج هذا منها .

”محمد بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے
فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ”جذامی“ میں برکت ڈالے اور اس باغ میں برکت ڈالے
جس باغ سے جذامی کھجور نکل آتی ہیں۔“ (کنز العمال ج ۱۲، ص
۳۴۲)

جذامی ایک اعلیٰ قسم کی کھجور ہے جو علاقہ ”یمامہ“ میں پیدا ہوتی
ہے وہاں سے کوئی حضور علیہ السلام کیلئے یہ کھجور بطور تحفہ لایا تھا جب آپ
نے اس کی اعلیٰ کوالٹی دیکھی تو بہت خوش ہوئے اور یہ دعا دی۔

کسب اور صنعت میں کمال پیدا کرنے والے کیلئے

حضور علیہ السلام کی دعا

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مسجد نبوی کیلئے کچی
اینٹیں تیار کر رہے تھے۔ ”حضر موت“ کا ایک شخص بڑی عمدگی سے مٹی
گوندھ رہا تھا۔ حضور علیہ السلام نے اس کا کام دیکھ کر فرمایا۔

رحم اللہ امرء حسن صنعة وقال له الزم انت هذا

الشغل فانی اراک تحسنه“.

”خدا اس پر رحم کرے جو کسی صنعت میں کمال پیدا کرے، پھر اس شخص سے فرمایا کہ تم اسی کام میں لگے رہو کیونکہ مجھے نظر آتا ہے کہ تم اسے عمدگی سے کرتے ہو۔“

(ابن ماجہ)

ذرا غور فرمائیں کہ کتنے پیار اور پرکشش انداز میں حضور ﷺ کسب و ہنر میں سبقت اور مہارت کی تعلیم دے رہے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ شجر کاری ہی نہیں بلکہ کسب و ہنر کے ہر شعبے میں اعلیٰ ترین معیار اور کارکردگی کا مظاہرہ کرنا بھی نبوت کی منشاء ہے۔

درخت ہی انسان کا قدیم ترین محسن اور وفادار

دوست ہے

ویسے تو کائنات میں انسان کے بہت سے دوست اور خدمت گزار ہیں لیکن یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ مشکل وقت پر آنے پر سب نے ساتھ چھوڑ دیا بجز درخت کے انسان اول حضرت آدم علیہ السلام جنت کے اندر جب بھولے سے گندم کا دانہ کھانے کی پاداش میں عتاب خداوندی کا نشانہ بنے تو تمام کائنات آپ سے بیزار ہو گئی فرشتوں

نے خلیفہ ارض کا ساتھ چھوڑ دیا یہاں تک کہ جنتی لباس ان کے جسم سے بھاگ کر آدم اور حوا علیہما السلام کو ننگے اور برہنہ چھوڑ گئے۔

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک تھی ناگوار
گستاخی فرشتہ ہمارے حضور میں
ایسی سخت ترین گھڑی اور بے کسی کے عالم میں اگر کسی نے
ہمدردی کا ہاتھ بڑھایا تو وہ درخت ہی تھا۔

قوله تعالى: و طفقا يخصفن عليهما من ورق الجنة
” اور دونوں (آدم اور حوا) اپنی شرمگاہ درخت کے پتوں سے
چھپانے لگے یعنی درخت نے ستر پوشی کیلئے پتے پیش کئے۔“

انسانیت کی موجودہ ترقی میں درخت کا کردار
اگر ہم لمحہ بھر کیلئے فرض کر لیں کہ درخت اور اس کے جگر گوشے اور
درخت کا خون اور پسینہ (تیل) کرۂ ارض سے نیست و نابود ہوتے ہیں تو
یہی حسین و جمیل اور بہشت نما دنیا انسان کیلئے قابل نفرت اور جہنم کدہ بن
کر رہ جائے گی۔

سائنسدانوں کا نظریہ

سائنس دانوں کا نظریہ ہے کہ پٹرول، ڈیزل، معدنی تیل، گیس

اور کونکہ وغیرہ درخت ہی کے وجود کی مرہون منت ہیں۔ قدیم زمانے میں جو عظیم جنگلات مختلف عوامل کے نتیجے میں زمین کی تہوں میں نیچے دب کر رہ گئے، زمین کی اندرونی حرارت کے نتیجے میں ان کے روغنیات بہہ کر زمین کی تہوں میں چشموں اور تالابوں کی شکل میں محفوظ ہو گئے جن سے آج انسان حرارت اور انرجی کے میدان میں ان گنت خدمات لے رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

الذی جعل لکم من الشجر الاخضر ناراً.

” اللہ وہ ذات ہے جس نے سرسبز درخت سے تمہارے لئے

آگ پیدا کی۔“

ماضی میں اگر چہ درخت سے آگ وجود میں آنے کا تصور اور مفہوم بہت محدود تھا یعنی یہ کہ درخت کی خشک لکڑیوں کا جلانا، مگر اس معنی کے لحاظ سے قرآن کریم کی قید ” اخضر“ سرسبز و تازہ درخت بغیر کسی تاویل کے بظاہر بے جوڑ دکھائی دے رہا تھا مگر سائنس کے مذکورہ نظریہ کے پیش نظر درخت سے آگ پیدا کرنے کے مفہوم میں نہ صرف انتہائی وسعت پیدا ہو گئی ہے بلکہ ”شجر اخضر“ کی قید کی اہمیت اور اعجاز بھی سمجھ آنے لگا۔

درخت اور سبزہ زار زندگی کیلئے روح رواں ہیں

جس ہوا میں انسان اور دیگر حیوانات سانس لے رہے ہیں اس ہوا کے دو بڑے اجزاء ہیں۔ (۱) نائٹروجن گیس ۷۸ فی صد (۲) آکسیجن گیس ۲۱ فی صد (۳) باقی ایک فیصد کاربن ڈائی آکسائیڈ یعنی دخانی اجزاء، آبی ذرات، خاک کی ذرات اور اوزون گیس پر مشتمل ہوتا ہے۔

جیسے کہ کسی انجن کیلئے ایندھن کی ضرورت ہوتی ہے اور ایندھن کے جلنے کے عمل سے انجن کے ہر ایک پرزے کو انرجی یعنی قوت پہنچ کر چلنے لگتا ہے اور جلا ہوا مادہ دھوئیں کی شکل میں انجن سے باہر نکلتا ہے۔ بالکل اسی طرح انسان جو کچھ کھاتا پیتا ہے اس کا ایک بڑا حصہ جسم کو قوت پہنچانے کیلئے ایندھن کا کام کرتا ہے۔ اس ایندھن کو جلانے کیلئے آکسیجن کی ضرورت ہوتی ہے یہ آکسیجن ہم سانس کے ذریعے جسم میں داخل کرتے ہیں تو غذائی مواد سے حاصل شدہ ایندھن جلنے لگتا ہے اور نتیجہً جسم کے جملہ پرزوں کو قوت اور حرارت ملتی ہے اور جلے ہوئے مواد کو ہم سانس کے ذریعے جسم سے باہر پھینکتے ہیں جسے کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس کہا جاتا ہے۔ یہ ایک زہریلی گیس ہے جس میں کونکے جیسے اجزاء شامل ہوتے ہیں۔ جب ہم سانس باہر نکالتے وقت صاف آئینہ منہ کے سامنے رکھیں تو اس پر دھندلا اور کالا پن جم جاتا ہے۔ یہی وہ دخانی اجزاء

ہیں جس میں کونلے کے زہریلے اجزاء ملے ہوئے ہیں۔ آپ نے یقیناً بارہا سنا ہوگا کہ فلاں جگہ موسم سرما میں بند کمرے میں کونلہ جلانے کے نتیجے میں اتنے لوگ مر گئے، یہ اس لئے کہ کمرے کے اندر کاربن ڈائی آکسائیڈ وافر مقدار میں جمع ہونے کے باعث دم گھٹ جاتا ہے۔ انسان کھانے پینے کے بغیر بھی کئی دنوں تک زندہ رہ سکتا ہے مگر آکسیجن کے بغیر تھوڑی دیر بھی زندہ نہیں رہ سکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ انسان اور حیوان ہوا کے اندر موجود آکسیجن کے ذریعے ہی اپنی زندگی کو طول دیتے رہتے ہیں۔

انسان اور حیوان کتنی آکسیجن خرچ کرتے ہیں؟ اور ہوا کی آلودگی میں کتنا اضافہ کرتے ہیں

علامہ طنطاوی المصریٰ اس بارے میں جو اعداد و شمار تحریر کرتے ہیں اس کی رو سے آج کل جبکہ انسانی آبادی تقریباً چھ ارب تک پہنچنے والی ہے، سال بھر میں کل انسان سانس اندر کھینچتے ہوئے اپنے بدن میں ۶۴۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰۔ چھ کھرب چالیس ارب مکعب میٹر (ایک مکعب میٹر برابر ۳۹ انچ) آکسیجن ہوا سے جذب کر لیتے ہیں جبکہ دوسرے حیوانات کا اندازہ اس سے چار گناہ زیادہ ہے اور ماہرین کے اندازے کے مطابق ہر انسان فی یوم ۲۵۰ گرام کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس سانس

باہر نکالتے وقت خارج کرتا ہے۔ جسمیں ۷۵ گرام خالص کاربن عنصر
(کونکے کی اصل) شامل ہوتا ہے۔

(تفسیر الجواہر ج ۱۱، ص ۱۹)

علامہ طنطاویؒ کے اعداد و شمار کی رو سے (چھ ارب) انسان سال
بھر میں ۱۷۱۴۲۸۴۰، ایک کروڑ اکہتر لاکھ، بیالیس ہزار، آٹھ سو چالیس
ٹن خالص عنصر کاربن (کونکے کی اصل) خارج کر لیتے ہیں۔ جب کہ
مخلوط کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس کی مقدار مذکورہ مقدار سے تین گنا سے بھی
زیادہ ہے اور حیوانات کی خارج کردہ کاربن ڈائی آکسائیڈ اور اس میں
شامل خالص کونکے کا عنصر مذکورہ مقدار سے چار گنا زیادہ ہو سکتا ہے۔

سائنسی ایجادات کی آلودگی ماحولیات

ہم جانتے ہیں کہ موجود سائنسی اور صنعتی دور میں کارخانے مختلف
صنعتیں، فیکٹریاں، ایٹمی بھٹیاں، تیل اور کونکے سے چلنے والی گاڑیاں، ایئر
کنڈیشنڈ اور دیگر ان گنت آلات سے جو ہریلی گیس اور آلودگی پھیلتی
جا رہی ہے جس نے زمینی فضا تو کیا آسمانی حفاظتی چادر (اوزون) تک کو
پھاڑنا شروع کر دیا ہے۔ اس آلودگی کا تو اندازہ لگانا بھی ناممکن ہے۔ اس
طرح انسان اور حیوان جس فضا اور ہوا میں سانس لے رہے ہیں جس کی

صفائی اور پاکیزگی پر گویا کہ دودھاری تلوار چلتی رہتی ہے۔ ایک طرف تو آکسیجن کا مذکورہ مقدار میں خرچ ہونا بلکہ اس میں روز افزوں اضافہ ہونا حالانکہ فضا اور ہوا کی صفائی کا نام ہی آکسیجن کی وافر مقدار میں موجودگی ہے اور دوسری طرف ہوا میں آلودگی کا مذکورہ تناسب سے اضافہ ہونا، یہی وہ منظر ہے جس کے پیش نظر آج کل سائنسدان اور ماہرین ماحولیات پیشین گوئی کرتے ہیں کہ فضا کی موجودہ آلودگی کی اگر روک تھام نہ کی گئی تو وہ دن دور نہیں کہ بارش کے ساتھ بالائی فضاء میں موجود آلودگی اور تابکار زہریلا مواد زمین پر لوٹ آئے گا۔ جس کے باعث فصلیں، جنگلات اور بروجر کے حیوانات کی زندگیاں اجیرن بن سکتی ہیں اور یہی پیشین گوئی قرآن کریم نے ۱۴ سو سال پہلے کر دی ہے۔

ظہر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس

لیذیقہم بعض الذی عملوا لعلہم یرجعون .

” پھیل پڑی خرابی جنگل میں اور دریا میں، لوگوں کے ہاتھ کی

کمانی سے چکھانا چاہیے ان کو کچھ مزا ان کے کام کا تا کہ وہ پھر آئیں۔“

(پارہ ۲۱ آیت ۴۱)

درخت آکسیجن پیدا کرنے اور آلودگی ختم کرنے کے

قدرتی کارخانے ہیں

چاہیے تو یہ تھا کہ کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس کی زہر آلودگی سے نہ صرف جملہ انسان بلکہ جملہ حیوانات بھی کب کے مر جاتے مگر موت اور تباہی کی اس یلغار کو درخت اور نباتات روکے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت دیکھئے کہ جس طرح انسان اور حیوانات کے دیگر فضلات (بول و براز) اشجار اور نباتات کی غذا اور خوراک ہیں جب کہ اشجار اور نباتات سے برآمد شدہ مواد (میوے، مشروبات، غلے، گھاس اور چارہ) انسانوں اور حیوانات کیلئے خوراک ہیں، اسی طرح درخت اور نباتات جب سانس اندر کھینچتے ہیں تو ہوا کے اندر موجود زہریلی گیس کاربن ڈائی آکسائیڈ جذب کر لیتے ہیں اور یہی کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس ان کی بقاء کیلئے اتنی ہی اہم اور ضروری عنصر ہے جیسے انسان اور حیوان کیلئے آکسیجن اور جب سانس خارج کر دیتے ہیں تو اس کے ساتھ آکسیجن گیس خارج کر دیتے ہیں درخت وغیرہ نباتات کا ہوا کو صاف رکھنے کے اس دو طرفہ عمل کے نتیجے میں کرہ ارض پر محیط ہوا انسان اور حیوانات کیلئے روح رواں اور زندگی بخش ہیں۔ اگر فرض کیا جائے کہ روئے زمین پر سبز پتہ نیست و نابود ہو جاتا ہے تو بہت

قلیل مدت میں ہوا کے اندر موجود آکسیجن گیس ختم ہو جائے گی اور کرہ زمین کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس سے بھر کر زندگی کے خاتمے کا باعث بنے گی۔

درخت عموماً رات کو سوتے ہیں، سونے کی حالت میں وہ آکسیجن خارج نہیں کرتے البتہ چونکہ کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس درخت کی خوراک ہے وہ درخت کے آس پاس بکثرت موجود ہوتی ہے۔ اس لئے طبی نقطہ نگاہ سے رات کو درخت کے نیچے سونا صحت کیلئے مضر ہے مگر دن کو باغات سبزہ زار میں چلنا، پھرنا یا ورزش کرنا درختوں کے نیچے سونا صحت کے لئے مفید تر ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ایسے مواقع میں آکسیجن بکثرت موجود ہوتی ہے۔ جو زندگی کیلئے مفید اور روح افزاء ہوتی ہے۔

درخت طوفانی ہواؤں کیلئے بریکر ہیں

بعض اوقات تیز طوفانی ہوائیں فصلوں اور آبادیوں کیلئے انتہائی تباہی کا باعث بنتی ہیں خاص کر ہموار، چٹیل میدانوں اور ساحلی علاقوں میں کہ ایسے مواقع میں ہوا کی رفتار کیلئے کوئی رکاوٹ اور مزاحمت نہیں ہوتی چونکہ درخت اور باغات ہوا کی رفتار کیلئے قدرتی بریکر کا کام دیتی ہیں عین ممکن ہے کہ بعض درخت اس مزاحمت میں اپنی زندگی سے ہاتھ دھو

بیتھیں، مگر آبادیوں کیلئے تحفظ فراہم کریں گے۔

درخت طوفانی سیلابوں اور بارشوں سے قدرتی حصار ہے
بسا اوقات طوفانی سیلاب قیمتی زمین بلکہ دیہات تک بہا کر لے
جاتے ہیں نیز طوفانی اور تیز بارشیں زمین کی سطح کا زرخیز حصہ بہا کر اسے
بخر تہہ میں تبدیل کر دیتی ہیں، بارش کے اس دست برد اور ظلم سے درخت
کی جڑیں زمین کے تحفظ کیلئے قدرتی جنگلے کا کام دیتی ہیں۔

جنگلات باران رحمت اپنی طرف کھینچتے ہیں

جن علاقوں میں درخت کے جنگلات کثرت سے ہوں، وہاں
بارشیں کثرت سے برستی ہیں۔ سائنسی نقطہ نگاہ سے تو اس کی توجیہ یہی کی
جاتی ہے کہ درخت کے اندر ہوا سے نمی جذب کرنے اور بادل کے اندر
برقی روؤں کے کھینچنے کی قوت جاذبہ موجود ہے۔ اس لئے بجلی عموماً درختوں
پر گرتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ”رب الانسان“ ہی
نہیں بلکہ ”رب العلمین“ یعنی پوری کائنات کا پالنے والا بھی ہے
۔ چونکہ جنگلات کو پانی کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے اور وہ خود بے پروا
ہونے کی وجہ سے چل کر پانی تک پہنچنے سے قاصر ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ
کی ربوبیت اور رحمت بادلوں کو پانی سے بھر کر ان کی طرف ہانک کر ان پر

پانی برساتی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ شجر کاری کے ان گنت منافع اور فوائد میں سے بعض وہ فوائد ہیں جن سے بیشتر لوگ یا تو بے خبر ہیں اور یا نفع پہنچانے اور فیض رسانی کے عظیم مقام اور ثواب کے بارے میں بے حس ہیں۔ شجر کاری کا یہی لامتناہی عام منفعت کی بناء پر تو فقہاء احناف نے اس پیشے اور کسب کو جملہ پیشوں پر فضیلت اور ترجیح دی ہے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ہم ”مبسوط“ کے حوالہ سے پڑھ چکے ہیں۔

از روئے شریعت درختوں کا تحفظ اور اس کی اہمیت

کسی چیز کا حصول نہ تو اتنا ضروری ہوتا ہے نہ اہم جتنا کہ اس کی حفاظت اور نگرانی، مسلمانوں پر کسی کا مسلمان بنانا نہ تو فرض ہے اور نہ واجب مگر کسی کافر کا اسلام لانے کے بعد اس کیلئے ایمان اور اسلام کا تحفظ فرض ہے، اگر وہ مرتد ہونا چاہتا ہے تو کسی قیمت پر اس کے ایمان کو ضائع نہیں ہونے دیا جائے گا۔

قرآن کریم کا یاد کرنا نہ فرض ہے اور نہ واجب، مگر جب ایک مرتبہ قرآن کو یا بعض سورتوں اور آیات کو اچھی طرح یاد کیا، اب لا ابالی پن اور غفلت سے اگر بھلا دیا تو یہ عظیم کبیرہ گناہ ہوگا۔ ایسا ہی

شجر کاری اور اس میں سے نفع بخش اور مفید تر کا انتخاب اگرچہ شرعاً مطلوب اور عقلاً ناگزیر ہے مگر اس سے کہیں بڑھ کر ان کا تحفظ اور نگہداشت ضروری اور اہم ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ پہاڑی اور دشوار گزار علاقوں میں معیشت کی مصنوعی ترقیاں، کارخانے اور فیکٹریاں وغیرہ نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی اس لئے قدرت عموماً وہاں قیمتی درختوں کے خود و جنگلات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ پیدا فرماتا ہے اور پہاڑی علاقوں میں ہموار زمینوں میں قیمتی پھل اور میوہ جات کے باغات کیلئے بہ نسبت نشیبی علاقوں کے موزوں اور مناسب آب و ہوا کا انتظام فرماتی ہے۔

لیکن بد قسمتی سے تیار خور قبائلی باشندوں اور خود غرض متعلقہ حکام کی ملی بھگت کے نتیجے میں اس عظیم ملی اور قومی سرمایہ کا ایسی بے دردی سے ضیاع کیا گیا کہ کوئی سنجیدہ دشمن بھی ہرگز ایسا نہیں کرتا۔ ستم ظریفی یہ کہ اپنوں کو اس کی دینی اور دنیاوی تباہی کا احساس تک نہیں ہے۔ کوئی بھی مذہب پسند، تقویٰ شعار اور اسلامی تعلیمات کا علمبردار شخص نہ تو اس اجتماعی منکر کے خلاف آواز اٹھاتا ہے اور نہ ہی اس ضیاع کو گناہ سمجھ کر خدا سے استغفار مانگتا ہے، حق تو یہ تھا کہ جنگلات کے اس بے دریغ اور

غیر ضروری کٹائی کی تلافی کیلئے ان پہاڑوں میں نئے پودے لگائے جاتے اور ان کے تحفظ کیلئے قومی انتظامات کئے جاتے مگر یہ ناعاقبت اندیش مسلمان اور دین ابراہیمی علی صاحبہا السلام کے پیروکار ان تلف کردہ درختوں کی خود روئیں اور بچوں کے قتل عام کیلئے برائے نام قیمت کی وصولی کی خاطر کلہاڑیاں تیز کر چکے ہیں۔ اس لئے بطور نصیحت مناسب سمجھتا ہوں کہ درختوں کی تحفظ کے بارے میں اسلامی تعلیمات کی ایک جھلک ہدیہ ناظرین کر لوں۔

عن علی رضی اللہ عنہ قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اخرج فاخذ فی الناس من اللہ لا من رسولہ لعن اللہ قاطع السدرۃ.

”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جاؤ لوگوں میں یہ اعلان کر دو کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے نہ حضور علیہ السلام کی ذاتی رائے کہ اللہ تعالیٰ نے لعنت بھیج دی ہے پیر کا درخت کاٹنے والے پر“۔

(کنز العمال، ج ۳، ص ۸۹۵)

عن معاویہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قاطع السدرۃ یصوب اللہ راسہ فی النار.

”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ بیر کا درخت کاٹنے والے کو اللہ تعالیٰ سر کے بل جہنم میں ڈال دے گا۔“ (حوالہ مذکور)

عن بريدة رضي الله عنه قال قال النبي صلى الله عليه وسلم ما من نبتٍ ينبت الا ويحمله ملك موكل به حتى يحصده فايما امرئ وطئ ذالك النبت يلعنه ذالك الملك .

” حضرت بريدہؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہر ایک اگنے والے پودے کی حفاظت اور پرورش کیلئے ایک فرشتہ مقرر ہوتا ہے پس جو شخص کسی نوزائیدہ پودے کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالتا ہے تو وہ باغبان اور مالی فرشتہ اس پر لعنت بھیجتا ہے اور اس کیلئے بددعا کرتا ہے۔“

(کنز العمال ج ۳، ص ۹۰۵)

عن ابى هريرة رضي الله عنه قال جعل رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم حول المدينة اثني عشر ميلا حمى.

” حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضور ﷺ نے مدینہ منورہ کے ارد گرد ۱۲ میل علاقہ محفوظ قرار دیا تھا۔ جس میں خود درخت اور جڑی بوٹیوں کا کاٹنا ممنوع قرار دیا تھا۔
(کنز العمال ج ۱۳، ص ۱۳۳)

عن صالح ان سعداً وجد عبیداً من عبید المدینة یقطعون من شجر المدینة فاخذ متاعهم و قال یعنی لمو الیہم سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینہی ان یقطع من شجر المدینة شیئی و قال من قطع منه شیئا فلن ینزلہ سلبہ.

”حضرت صالح نے روایت کی ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کے غلاموں میں سے چند غلام درخت کاٹتے ہوئے پکڑ لئے اور ان سے ان کا سامان چھین لیا جب ان غلاموں کے مالکان نے حضرت سعدؓ سے بات کی تو آپ نے انہیں بتایا کہ میں نے خود حضور علیہ السلام سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کے درخت کاٹنے سے ممانعت فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ جس نے کسی کو مدینہ کے اطراف میں درخت کاٹتے ہوئے پکڑ لیا تو درخت کاٹنے والے کا سارا سامان پکڑنے والے کا ہے۔“ (رواہ ابو داؤد)

عن عبد الکریم ان عمر ابن الخطاب قال لغلام

قدامة انت على هؤلاء الحطابين فمن وجدته احتطب من
بين لابتى المدينة فلک فاسه و حبله.

” حضرت عبدالکریم سے روایت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت
قدامہ کے غلام کو جلانے کیلئے لکڑی کا ٹنے والوں پر نگران مقرر کیا اور اس کو حکم
دیا کہ اگر کسی کو مدینہ کے اطراف (۱۲ میل علاقہ محفوظ) میں لکڑی کاٹتے
ہوئے پایا تو اس کا جملہ ساز و سامان ضبط کر لینا۔“ (کنزج ۱۴)

احادیث مذکورہ کے متعلق ضروری وضاحت

مذکورہ یا بعد میں ذکر کی جانے والی احادیث کے متعلق محدثانہ
تحقیقات یا مذاہب کے ائمہ اور فقہاء کرام کے فقہی اختلافات اور
موشگافیوں کو چھیڑنا میرا موضوع بحث نہیں بلکہ مذکورہ احادیث سے جو چیز
بلا تامل ثابت ہوتی ہے وہ ہے درختوں اور سبزہ زاروں کی حفاظت اور
نگہداشت۔ جس سے بلا تامل شہری اور دیہاتی آبادیوں میں افزائش
جنگلات کی شرعی اہمیت اور ضرورت ثابت ہوتی ہے۔

نیز جن درختوں اور پودوں کے کاٹنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ ان
سے مراد خود راور جنگلی درخت ہیں کسی انسان کے کاشت کردہ مملوک
درختوں کا کاٹنا مالک کیلئے ممنوع نہیں ہے۔ اس فرق کی بنیادی وجہ یہی

ہے کہ جو شخص محنت و مشقت سے کسی درخت کو پالتا ہے وہ بغیر کسی شدید ضرورت اور اہم مصلحت کے ہرگز اسے نہیں کاٹتا اس لئے اس کے کاٹنے پر شرعی پابندی لگانے کی کیا ضرورت؟ البتہ قدرت کے لگائے ہوئے اور پالے ہوئے درختوں کو جاہل لوگ مال غنیمت سمجھ کر بیدردی سے ضائع کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں پوری آبادی نہ صرف عظیم فوائد سے محروم ہو جاتی ہے بلکہ بے شمار نقصانات سے بھی دوچار ہو جاتی ہے جن کا ذکر پچھلے صفحات میں بطور نمونہ ہم پڑھ چکے ہیں۔ اس لئے شریعت نے ایسے درخت اور جڑی بوٹیوں کے کاٹنے کی ممانعت کی تعلیم وتر بیت دی ہے۔

تحفظ حیوانات کے متعلق اسلامی تعلیمات

اللہ تعالیٰ حکیم ذات ہے اور لفظ حکیم کا مفہوم اور معنی ہی یہی ہے کہ اس کا کوئی کام فائدہ سے خالی نہیں ہوتا۔ زمین پر چلنے والے ہوں یا ریگنے والے، ہوا میں اڑنے والے ہوں یا پانی میں تیرنے والے، جملہ حیوانات کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے انسان کی خدمت اور نفع پہنچانے کیلئے کر دی ہے یہ اور بات ہے کہ ہماری نادانی اور بے علمی کے سبب سے ہمیں ان فوائد کا علم نہیں یا ان حیوانات سے مطلوبہ فوائد حاصل کرنے اور انہیں خادم بنانے سے ہم بے دست و پا ہیں۔ ذرائع ابلاغ سے یہ بات واضح

ہے کہ آج کل سائنسدان حیوانات سے کیا کیا خدمات لینے کی ابتداء کر چکے ہیں، جن کے ذکر سے غیر ضروری طوالت کے سبب اعراض ہی مناسب ہے البتہ حیوانات میں سے بعض موذی اور ضرر رساں بھی ہیں جن کے مارنے کا شریعت نے حکم دیا ہے مثلاً مکھی، مچھر، بھڑ، بچھو اور بعض سانپ وغیرہ مگر اس کی تخلیق میں بھی انسانوں کیلئے بے شمار فوائد ہیں وہ یہ کہ ہر چیز میں جب بدبو اور بد مزگی پیدا ہو جاتی ہے تو اس میں زہریلے مواد بننے لگتے ہیں۔ یہ زہریلے مواد جب خشک ہو کر ہوا میں گرد و غبار کے ساتھ اڑتے ہیں اور فضا میں پھیل جاتے ہیں تو انسان اور دیگر حیوانات کے بدن میں سانس لینے اور کھانے پینے کی اشیاء کی وساطت سے داخل ہو کر مہلک وبائی امراض کے پھیلنے کا سبب بنتے ہیں۔ انسان کو ان مہلک امراض سے بچانے کی خاطر اللہ تعالیٰ مذکورہ زہریلے مواد سے مکھی وغیرہ پیدا فرماتا ہے۔ اس طرح گویا قدرت نے مذکورہ زہریلے مواد کو فضا میں پھیلنے سے روک کر ان کے عام ضرر اور نقصان کو محدود کر دیا اور پھر ان اڑنے اور چلنے والے زندہ اور موذی اجسام کا شکار کرنے کیلئے مختلف شکاری پرندے اور حیوانات پیدا کئے اور ساتھ ہی انسان کو بھی ان کے مارنے کی اجازت دی۔ اس طرح قدرت نے انسانوں کو بے شمار

ہلاکتوں اور بیماریوں سے محفوظ کیا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ جس چیز کی پیدائش کو انسان بے کار اور ضرر رساں سمجھتا ہے اس کے پیدا کرنے میں خدا تعالیٰ کی کتنی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

موذی نقصان دہ حیوانات کی تخلیق کی حکمت

مگر یاد رہے کہ مذکورہ موذی اور نقصان دہ حیوانات کی کثرت ان علاقوں اور آبادیوں میں ہوتی ہے۔ جہاں کے لوگ صفائی کیلئے مقرر کردہ اصول اور قوانین پر عمل نہیں کرتے جن شہروں، دیہاتوں، گلی کوچوں اور گھریلو استعمال کی چیزوں میں اور ارد گرد کے ماحول، بول براز اور دیگر غلاظتوں کی صفائی کا کوئی اصول نہ ہو ہر طرف گندگی کے ڈھیر، غلاظت اور بدبو سے ماحول زہر آلود ہوتا ایسے علاقوں میں اگر قدرت ہوا کو صاف رکھنے کیلئے مذکورہ موذی حیوانات کی تخلیق کا متبادل انتظام نہ کرتی تو وبائی امراض پھیلنے سے نسل انسانی کا قتل عام شروع ہو جاتا۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں صفائی کی اہمیت اور ضرورت کو مختلف پیرایوں میں مسلمانوں کو سمجھاتا ہے۔ کبھی فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو بہت زیادہ صفائی کرتے ہیں جیسے نماز پنج وقت کی صحت کیلئے بدن، لباس اور مکان کی صفائی فرض قرار دی ہے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ صفائی ایمان کا نصف حصہ یا ایمان کا ایک حصہ ہے۔ مگر افسوس کہ مسلمان نے قرآن و حدیث کے ان اہم احکام کو مسجد کی چار دیواری تک محدود سمجھا ہے۔ مسجد سے باہر وہ صفائی کے اصول کو پس پشت ڈال چکا ہے جبکہ اس کے برعکس آج کل ترقی یافتہ غیر مسلم اقوام نے پورے معاشرے اور ماحول کیلئے صفائی کو ہر ضرورت پر مقدم قرار دیا ہے۔

ایک سبق آموز لطیفہ

میرا ایک دوست ہے جو ”ویانا“ میں پاکستانی سفارت خانہ میں افسر تھا وہ ایک واقعہ سنانے لگا کہ ہم (میاں، بیوی) گھر کے صحن میں بیٹھے تھے کہ اچانک میری چھوٹی بچی کمرے سے دوڑ کر، روتی باہر آئی اور کہنے لگی کہ کمرے میں باؤ یعنی ڈراؤنی چیز ہے۔ جب ہم اندر گئے تو بچی نے دیوار پر بیٹھی ہوئی مکھی کی طرف اشارہ کیا کہ وہ ہے۔ چونکہ اس نے اس سے پہلے مکھی کہیں نہیں دیکھی تھی اس لئے اس کی نظر میں یہ ایک ڈراؤنی بلا تھی۔ کہنے لگے کہ ہم دیر تک ہنستے رہے، خیر مکھی تو مار ڈالی اور بچی مطمئن ہوئی اور اسے مذاق میں بتایا کہ جب تو پاکستان میں اپنے گھر پہنچ جائے گی۔ تب تجھے اس ڈراؤنی چیز سے الفت ہو جائے گی۔

قصہ کوتاہ: بات حیوانات اور پرندوں کی افادیت کی ہو رہی تھی تو شرعی تعلیمات کی رو سے بیشتر حیوانات کا تحفظ اور افزائش انسانی آبادی کیلئے ایک اہم اور مفید عنصر ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام اور تحفظ حیوانات

جب انسانیت پر ان کی بد اعمالیوں کی پاداش میں طوفان نوح کی شکل میں تباہی اور بربادی آنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ صرف ایمان لے آنے والوں کے بچانے کا انتظام نہیں کرنا بلکہ جملہ حیوانات میں سے ایک ایک جوڑے (نر، مادہ) کی حفاظت اور بچانے کا بھی انتظام کرنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

قلنا احمل فیہا من کل زوجین اثنين و اہلک الا من سبق علیہ القول و من امن. الآیة.

”ہم نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ کشتی میں سوار کر لو جملہ حیوانات میں سے دو دو جوڑے اور اپنے گھر والوں کو بھی بجز اس کے جس کے بارے میں ہلاکت کا فیصلہ ہو چکا ہے اور جملہ مؤمنین کو بھی کشتی میں سوار کر لو۔“ (پارہ ۱۲، ہود، آیت ۴۰)

تشریح: معمولی سمجھ بوجھ رکھنے والے بھی سمجھ سکتے ہیں کہ حیوانات

کا وجود اگر انسانوں کی بقاء کیلئے انتہائی اہم اور شریعت الہی میں مطلوب نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو اس نازک گھڑی میں اتنا عظیم بوجھ اٹھانے (کشتی میں مختلف حیوانات کی گنجائش کا انتظام، ان کا کھانا پینا اور ان کو جمع کر کے سوار کرنا وغیرہ) کا حکم کیوں دیتے؟ تفصیل کیلئے میری ٹالیف ”علوم الانبیاء اور تنخیر کائنات“ کا مطالعہ کریں۔

منشور ابراہیمی اور تحفظ حیوانات

اس کتاب کی ابتداء میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مرکز اسلام (بیت اللہ شریف) کی تعمیر کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے حضور جس عمرانی منشور کو منظوری کیلئے پیش کیا اس میں بیت اللہ شریف کے ارد گرد پہاڑی علاقہ میں میلوں تک حیوانات اور پرندوں کے شکار کو ممنوع قرار دینے کا قانونی دفعہ بھی شامل تھا اور آج بھی شریعت محمدی میں وہ قانونی دفعہ جوں کاتوں برقرار ہے۔

جملہ انبیاء علیہ السلام نے اپنے اپنے علاقوں میں

حیوانات کو تحفظ دیا ہے

ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ”عمرانی منشور“ کی

پیروی کرتے ہوئے جملہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے اپنے علاقوں میں ایسے محفوظ علاقے قائم کر دیئے تھے جہاں جنگلی حیوانات اور پرندوں کا شکار کرنا ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکل نبی حرم وانی قد حرمت المدینة کما حرم ابراہیم مکة .

” حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ ہر ایک نبی کا حرم (علاقہ محفوظ جہاں شکار وغیرہ کی ممانعت تھی) ہوتا تھا اور بے شک میں نے مدینہ منورہ کو ایسا ہی علاقہ محفوظ بنا دیا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو علاقہ محفوظ بنا دیا تھا۔“
(کنز العمال ج ۱۲، ص ۲۳۳)

عن ابی ہریرة رضی اللہ عنہ قال حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما بین ما بین لا بتی المدینة فلو وجدت الطباء ما بین لا بتیها ما ذاعرتھن و جعل حول المدینة اثنی عشر میلا حمی .

” حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے مدینہ منورہ کے دو اطراف کے درمیان یعنی اردگرد

بارہ میل تک علاقہ محفوظ بنا دیا ہے۔ اگر میں اسکے اندر ہرنوں کو دیکھ لوں تو انہیں ہرگز خوفزدہ نہیں کروں گا۔“

(کنز العمال ج ۱۲ ص ۱۳۳)

عن شرح جیل ابی سعد انه دخل الاسواق فصاد فيها طائرا فدخل زيد ابن ثابت وهو معه فعرق اذنه وقال خل سبيله لا ام لك اما علمت ان النبي صلى الله عليه وسلم حرم ما بين لا تبها.

” شرح جیل کہتا ہے کہ میں مدینہ منورہ کے شہر میں داخل ہوا تو میں نے ایک پرندہ پکڑ لیا، پھر زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور وہ پرندہ میرے پاس تھا۔ تو حضرت زید نے میرے کان کھینچ کر کہا کہ چھوڑ دو اس پرندے کو تیری ماں نہ ہو، تجھے معلوم نہیں کہ حضور علیہ السلام نے مدینہ کے اطراف میں شکار کرنا ممنوع ٹھہرایا ہے۔“

(کنز العمال ج ۱۳ ص ۱۳۲)

عن سليمان ابى عبد الله قال رایت سعد ابن بى وقاص اخذ رجلاً يصيد فى حرم المدينة الذى حرم رسول الله صلى الله عليه وسلم فسلبه ثيابه فجاء موالیه فكلموه فيه فقال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم حرم هذا

الحرم و قال من اخذ احداً يصيد فيه فليسلبه فلا ارد
عليكم طعمة اطعمنيها رسول الله صلى الله عليه وسلم و
لكن ان شئتم دفعتم اليكم ثمنه .

”حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے
حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ایک آدمی کو پکڑ رکھا تھا جو
مدینہ منورہ کے علاقہ محفوظ میں شکار کر رہا تھا تو حضرت سعدؓ نے اس کے
کپڑے اور ساز و سامان چھین لیا جب اس غلام کے مالک حضرت سعدؓ
کے پاس چھینا ہوا سامان واپس کرنے کے بارے میں بات چیت کرنے
کی غرض سے حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ حضور ﷺ نے اس
علاقے میں شکار کرنا ممنوع قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ جس نے یہاں کسی
کو شکار کھیلتے پکڑا تو ضرور اس سے اس کے کپڑے اور سامان وغیرہ چھین
لے۔ لہذا جو چیز مجھے حضور علیہ السلام نے دلوائی ہے وہ تو کسی صورت میں
واپس نہیں کروں گا، البتہ اگر تم چاہتے ہو تو اس سامان کی قیمت دے
دوگا۔“

(ابوداؤد، کنز العمال ج ۱۳ ص ۱۳۲)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی شخصیت

آپ جلیل القدر صحابی ہیں، سترہ سال کی عمر میں اسلام لائے۔ آپ کے بقول اسلام لانے والوں میں وہ تیسرے نمبر پر ہیں اور ”عشرہ مبشرہ“، یعنی ان دس صحابہ میں سے ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زندگی میں جنت کی بشارت دی تھی اور تمام صحابہ میں سب سے پہلے جہاد میں تیر پھینکنے والے آپ ہیں۔ جنگ احد کے میدان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے جسم کو ڈھال بنا رکھا تھا اور ساتھ ہی کفار پر تیر بھی برسار ہے تھے اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا ” ارم فداك ابى وامى “ کفار پر تیر پھینکتے رہو تجھ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کیلئے دعا کرتے ہوئے فرمایا کہ ” اللهم سدد سهمہ و اوجب دعوتہ “ اے اللہ سعد کا تیر نشانہ پر ٹھیک بٹھا اور آپ کی دعا قبول فرما اور حضور علیہ السلام کی دعا کا اثر تھا کہ آپ کا تیر کبھی نشانہ سے خطا نہیں جاتا اور نہ ہی آپ کی دعا رد ہوتی، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ ” مستجاب الدعوات “ یعنی مقبول دعا والے کے لقب سے مشہور تھے، عمر فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی خلافت میں کوفہ کے گورنر رہ چکے ہیں اور عشرہ مبشرہ میں سے سب سے آخر میں وفات

پانی۔ ایسی عظیم شخصیت کی طرف سے مدینہ منورہ کے اطراف میں شکار کھیلنے والوں کے بارے میں مذکورہ سخت برتاؤ سے ظاہر ہوتا ہے کہ از روئے شریعت جنگلی جانوروں اور پرندوں کے تحفظ کی کتنی اہمیت ہے۔

طائف کا محفوظ علاقہ

حجاز مقدس میں طائف کی زرخیزی اور تاریخی اہمیت سے کون واقف نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں کے سبزہ زاروں اور زرخیزی کو دوبالا کرنے کیلئے ”وج“ نامی علاقہ کو محفوظ علاقہ قرار دیا تھا۔

عن زبیر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان صید وج وعضائہ حرام للہ . رواہ ابو داؤد . و قال محیی السنۃ وج من ناحیۃ الطائف .

”حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علاقہ ”وج“ میں شکار کھیلنا اور خورد و درخت کاٹنا ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے، مجی السنۃ نے فرمایا ہے کہ ”وج“ طائف کے نواح میں ایک جگہ کا نام ہے۔“

(ابو داؤد)

حاصل کلام:

پرندوں اور حیوانات کی افزائش اور تحفظ کی اہمیت اور ضرورت

کیلئے کسی مسلمان کی نگاہ میں اس سے مزید دلائل اور فوائد اور کیا ہو سکتے ہیں کہ یہ عمل عین رضائے الہی، منشور ابراہیمی اور جملہ انبیاء علیہ السلام کی پیروی کا آئینہ دار ہے۔

پرندوں اور دیگر حیوانات کی منفعت اور اہمیت

انسانی معیشت کیلئے زمین کی برآمدات کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی ہے۔ کھیتی باڑی، باغات، شجر کاری کے غلے، پھل سبزی اور آمدنی صرف زمین دار کی محنت، مشقت اور باغبانی کا نتیجہ نہیں، بلکہ اس میں پرندے اور دیگر اڑنے والے اور ریگنے والے، چلنے پھرنے والے خدائی خدمت گاروں کا بھی بہت اہم رول ہے۔ جس کے بغیر زمین دار کی اکیلی محنت اور مزدوری سے خاطر خواہ نتائج اور منافع کے حصول کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔

زمین سے برآمد شدہ نباتات اور اگنے والی چیزوں کا سخت ترین دشمن حشرات الارض ہیں جن کی مختلف اقسام اور نام ہیں، ان سب کی ابتدائی شکل انڈے کی ہوتی ہے پھر کیڑے کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اس کے بعد بعض اڑتے ہیں، بعض ریگتے ہیں اور بعض پاؤں پر چلتے ہیں اور بعض اتنے باریک اور ننھے اجسام کے ہوتے ہیں کہ انسانی نگاہ کی حد

سے باہر ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض دن بھر باغات پر یلغار کرتے ہیں اور بعض دوسرے دن بھر چھپے رہتے ہیں اور رات کے اندھیرے میں حملہ آور ہوتے ہیں۔

رحمت الہی دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان موذی حشرات کی افواج کو ختم کرنے کیلئے مختلف پرندے وغیرہ پیدا فرمائے ہیں۔ جن کی محبوب ترین غذا یہی کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض ہیں۔

فصل بہار میں جوں ہی مذکورہ کیڑے مکوڑے اپنے انڈوں کے خول سے باہر آنا شروع کر دیتے ہیں تو اچانک مختلف پرندوں کی افواج نمودار ہوتی ہیں جو اس موسم کے سوا سال بھر نظر نہیں آتے گویا کہ غیب سے انہیں حکم ملا کہ فلاں علاقے میں زمین دار کی محنت پر دشمنوں نے ایسا بھرپور حملہ کیا ہے کہ جس کا دفاع مقامی افواج (وہاں کے رہنے والے پرندے) نہیں کر سکتے لہذا تمہیں ان کی مدد کیلئے فوراً پہنچنا چاہیے۔

شان الہی دیکھئے کہ ان پرندوں میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ نے دیکھنے کی، بعض میں سننے کی اور بعض میں سونگھنے کی اتنی تیز قوت ودیعت کی ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے، نیز بعض پرندے دن بھر دشمنوں کا پیچھا کرتے ہیں جبکہ بعض دوسرے رات بھر چوکیداری کرتے ہیں

حضرت سلیمان علیہ السلام کا سفیر ”ہدُ ہد“

عظیم صوفی شاعر مولانا رومی مثنوی میں لکھتے ہیں کہ ہد ہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اتنی تیز نگاہ اور فہم دی ہے کہ پانی زمین کے اندر خواہ کتنی ہی گہرائی میں ہو اسے دیکھ سکتا ہوں اور یہ بھی معلوم کر سکتا ہوں کہ یہ پانی بیٹھا ہے یا کڑوا، اسی وجہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام دوران سفر ہد کو اپنے ساتھ لے جاتے۔ بہر حال اس قصہ کی حقیقت جو بھی ہو، کم از کم اتنی بات تو مشاہدہ کی ہے کہ ہد کو جہاں بھی آپ کھیتوں میں دیکھیں گے وہ اپنی لمبی چونچ سے زمین کی کھدائی میں مصروف ہوگا اور زمین کے اندر چھپے کیڑے نکال کر کھاتا رہتا ہے۔ وہ زمین کی سطح پر پڑے ہوئے دانے نہیں چمکتا۔

تیشہ دار پرندہ:

دوران اسیری ہری پور سنٹرل جیل میں مجھے ایک علیحدہ احاطے (قید تنہائی) میں رکھا گیا تھا۔ اپنے معمولات کی تھکاوٹ اتارنے کیلئے احاطے کے اندر چہل قدمی کرتے ہوئے (درخت، گل بوٹے اور پرندوں) سے لطف اندوز ہوتا رہتا۔ ٹالی کے درخت میں (کٹ کٹ) کی آواز سنی، جب دیکھا تو درخت کے تنے کے بالائی حصہ کے

ساتھ ایک چھوٹا سا حسین پرندہ چمٹا ہوا تھا جس کی چونچ بالکل تیشہ جیسی تھی اور وہ زور زور سے درخت کے تنے پر متواتر ضربیں لگانے میں مصروف تھا۔ اندازاً ایک مربع انچ مگر بالکل گول سوراخ بنانے میں مصروف تھا جس سے وہ پرندہ درخت کے تنے کے اندر داخل ہو سکے، اس منظر کو دیکھنے کے بعد میں نے مختلف درختوں میں وہی عجیب و غریب سوراخ دیکھ لیں جو شاید کوئی ماہر کارگر ہی بنا سکتا ہے، مقامی لوگوں سے معلوم ہوا کہ اس نوع کے پرندے کو قدرت نے کوئی ایسی حس دی ہے کہ درخت کے تنے اور شاخ کے اندر موجود کیڑے کو محسوس کرتا ہے اور پھر سوراخ کر کے اس کو نکال کر کھاتا ہے اور یہی اس پرندے کی غذا ہے۔ غور کیجئے کہ درخت کے تنے کے اندر چھپے ہوئے درخت کے دشمن کا کھوج لگانا اور پھر درخت کو گزند پہنچانے بغیر اسے مار ڈالنا اگر یہ ننھا قدرتی پرندہ سرانجام نہ دیتا تو باغباں کیا کرتا؟

کوآ اور انسانیت پر اس کا احسان

مخلوقات میں سے انسان کا معلم اول ہونے کا شرف اس حقیر اور راندہ درگاہ پرندے کو حاصل ہے جسے ہم کو کہتے ہیں۔
حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو

قتل کیا چونکہ انسانوں میں سے یہی پہلا مردہ اور میت تھی، اب اسے سنبھالنا قاتل بھائی کیلئے ایک مشکل مسئلہ بنا۔ رشتہ خون کی حرارت اس کی بھی اجازت نہیں دیتی تھی کہ قاتل اپنے مقتول بھائی کی لاش یوں ہی درندوں کے چیرنے پھاڑنے اور پرندوں کو نوچنے کیلئے چھوڑ دے یا یونہی گلے سڑے۔

کشمکش کہ عشق دارد نہ گذاروت بد نیساں

بجنا زہ گر نیائی بزار خواہی آمد

اور نہ ہی قاتل کو اپنے مقتول بھائی کی لاش کو باعزت طور پر سنبھالنے کی کوئی صورت سمجھ آتی تھی۔ اس مشکل کے حل کیلئے اللہ تعالیٰ نے کوا بھیجا، وہاں کسی پرندے (شاید کوءے) کی لاش پڑی تھی۔ کوا اس لاش پر کچھ دیر تک چلایا اور نوحہ کیا اس کے بعد زمین کے اندر گڑھا (قبر) کھودنا شروع کر دیا۔ قابیل بھی اسے دیکھتا رہا۔ قبر کی تکمیل کے بعد کوءے نے اس مردہ لاش کو قبر میں ڈال دیا اور اس کے اوپر ساری کھودی ہوئی مٹی ڈال کر اپنے بھائی کو دفنانے کے بعد اڑ کر چلا گیا۔ اب قاتل قابیل حسرت کے ساتھ ہاتھ ملتے ہوئے اپنے مقتول بھائی کی لاش کو دفن کر کے چلے گئے قرآن کریم فرماتا ہے

فبعث اللہ غرابا یبحث فی الارض لیریہ کیف
یواری سوأة اخیه .

”پھر بھیجا اللہ تعالیٰ نے ایک کوا جو زمین کو کریدنے لگاتا کہ اس کو
دکھا کر بتائے کہ کس طرح چھپائے اپنے بھائی کی لاش کو“۔
(پارہ ۶، نمبر ۲۰، آیت ۳۱)

حیرت کی بات ہے کہ آج بھی کوا جہاں کہیں بھی اپنے بھائی کی
لاش دیکھ لیتا ہے، اس پر چیخنا چلانا شروع کر کے ارد گرد کے کووں کو جمع
کر کے منڈلانے لگتے ہیں مگر لاش کے قریب نہیں جاتے شاید اس لئے کہ
وہ جانتے ہیں کہ میرا نمک حرام شاگرد کہیں میرا بھی یہی حشر نہ کرے جو
میرے مردہ بھائی کا کر چکا ہے۔

کوئے کی مثالی حیا اور ادب

کوئے کا ذکر چھیڑا ہے تو مزید معلومات کیلئے یہ بھی سنتے جائیں
کہ کوئے جب آپس میں نرمادہ ملتے ہیں تو شرم و حیا کے باعث اس جفتی
کے عمل کو انتہائی پردہ داری اور راز داری کی حالت میں سرانجام دیتے ہیں
شاید شاہ ذونا درہی کسی نے دیکھے ہوں گے، یہاں تک کہ پیار اور محبت کے
حرکات، بوس و کنار بھی لوگوں کے سامنے ہرگز نہیں کرتے اور غالباً

حیا و ادب کے اس پہلو میں دیگر حیوانات تو کیا انسان بھی کوئے کا ہم پلہ نہیں ہے۔

کوآ اور کھیتی باڑی

یہی کوآ آج بھی انسان کے ساتھ زمینداری کے کام میں بہت بڑی خدمت سرانجام دیتا ہے۔ سال بھر اور موسم خزاں میں زمین کے اندر چھپے ہوئے کیڑے مکوڑے ڈھونڈ نکالنے میں مصروف رہتا ہے۔ حالانکہ بصورت دیگر یہی چھپے ہوئے حشرات موسم بہار میں ہزاروں انڈے دے کر فصلوں کیلئے تباہ کن فوج تیار کرتے ہیں۔

الو اور چوہے

الو ایک مشہور پرندہ ہے، نگاہ اتنی تیز ہے کہ سورج کی روشنی برداشت نہیں کر سکتا اس لئے دن بھر وہ اپنی رہائش گاہ میں نیند کرتا رہتا ہے شاید اس لئے کہ اللہ تعالیٰ رات بھر اس سے فصلوں کی چوکیداری کی خدمت لینا چاہتا ہے۔

الو کی امتیازی خصوصیات

(1) اس کی نظر اتنی تیز ہے کہ گٹھا ٹوپ تارکی میں بھی اچھی طرح دیکھ

سکتا ہے۔

(۲) سننے کی قوت اتنی تیز ہے کہ کہیں آس پاس گیاہ اور پتے کے ہلنے کی معمولی حرکت سن سکتا ہے۔

(۳) اس کا پسندیدہ کھانا چوہے ہیں اگر یہ نہ ملے تو دوسرے حشرات کھاتا ہے۔

(۴) الو پانچ چھ بلیوں جتنے چوہے کھا لیتا ہے۔

(۵) اس کے لعاب دہن میں ایک تیزابی مادہ ہے کہ جب شکار منہ میں پکڑ لیتا ہے تو تھوڑی دیر میں اس کا گوشت گل کر اسے نگل لیتا ہے اور ہڈیوں کو باہر پھینک دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ الو کی رہائش گاہ کے قریب ہڈیوں کا ڈھیر پڑا رہتا ہے۔

(۶) الو کے پروں کی جنبش کی آواز بالکل نہیں ہوتی ہے اس لئے جب وہ شکار پر حملہ آور ہوتا ہے تو شکار کو اس کے پروں کی آہٹ بالکل محسوس نہیں ہوتی اور بے خبری کے عالم میں اسے اندھیری رات میں قابو کر لیتا ہے۔ اس طرح الورات بھر فصل کے دشمن حشرات یعنی چوہے وغیرہ چن چن کر ان کا صفایا کرتا رہتا ہے۔

سانپ اور چوہے

سانپ کا نام سننے سے عام طور پر انسان خوفزدہ ہو جاتا ہے حالانکہ ہر سانپ نقصان دہ نہیں ہوتا۔ دنیا بھر کے سانپوں کی تقریباً تین سو اقسام ہیں جن میں سے ۴۵ اقسام زہریلے ہیں۔ بعض سانپ انسانوں کیلئے مفید خدمات سرانجام دیتے ہیں سنٹرل جیل ہری پور میں دس سالہ اسیری کے دوران معلوم ہوا کہ جیل کے سپرنٹنڈنٹ ہر اس قیدی کی قید میں ایک ہفتہ کی تخفیف کرتا ہے جو جیل کے احاطہ کے اندر سانپ مار ڈالتا ہے اتفاق سے جیل کے باغیچے میں کام کرنے والے قیدی نے ایک بہت بڑا سانپ مار ڈالا تھا جسے کالا ناگ کہا جاتا ہے۔ یہ نوع عام سانپوں سے بڑا ہوتا ہے۔ اس کی پشت سیاہی مائل اور سینہ زرد ہوتا ہے۔ مارنے والا قیدی تو خوش تھا کہ جیل کے افسر صاحبان سات دن کی معافی کے ساتھ ساتھ شاباش بھی دیں گے مگر جب افسران نے سانپ دیکھا تو معافی دینا تو درکنار القیدی کو برا بھلا کہنے لگے کہ یہ سانپ تو زہریلا نہیں بلکہ چوہوں کا شکاری سانپ ہے جو کھیتوں کے اندر چوہوں کے بلوں میں گھستا پھرتا ہے اور چوہوں کا صفایا کرتا ہے۔

چمگاڈڑ اور اس کی خدمت

چمگاڈڑ ایک جانا پہچانا پرندہ ہے اس کی نظر بھی بہت تیز ہے سورج کی روشنی تیز نظری کے سبب برداشت نہیں کر سکتا۔ اسلئے دن بھر چھپا رہتا ہے۔ سورج غروب ہونے کے ساتھ باہر نکلتا ہے۔ چمگاڈڑ کے پروں کی جنبش کی بھی آواز نہیں ہوتی۔ اس کی محبوب غذا پھلوں، پھولوں اور نباتات پر حملہ کرنے والے کیڑے مکوڑے اور حشرات ہیں، رات بھر یہی شکار کرتا ہے اور دن بھر نیند کرتا ہے۔ گویا قدرت نے کسان کی مزدوری پر رات کی تاریکی میں پانی پھیرنے والے دشمنوں کے صفایا کیلئے چوری چھپے شکاری پرندے پال رکھے ہیں۔

قدرت کی اس عجیب و غریب شان کو دیکھئے کہ موسم سرما میں جب کھیت اور باغات میں پھل، پھول وغیرہ کچھ نہیں ہوتے اور نہ ہی کسان اور باغباں کی محنت اکارت کرنے والے حشرات ہوتے ہیں، تو یہ چوکیدار پرندہ بھی اپنی رہائش گاہ سے باہر آنے کی زحمت نہیں اٹھاتا بلکہ سارے موسم سرما میں سویا رہتا ہے۔ نہ کھانے کی احتیاج اور نہ پینے کی ضرورت، یورپ کے چودہ ممالک نے چمگاڈڑوں کو تحفظ دینے کیلئے ایک معاہدے پر لندن میں دستخط کر لئے۔ اس وجہ سے کہ یہ پرندہ انتہائی مضر

کیڑے مکوڑے کھاتا ہے، اگر یہ معدوم ہو تو انسان کی زندگی اجیرن بن جائے گی۔

(بحوالہ بی بی سی پروگرام ”دریافت“ شب جمعہ ۲۰ جنوری ۱۹۹۲ء)

کونج:

یہ ایک حسین و جمیل پرندہ ہے۔ نظم و ضبط کا پابند ہونے کے ساتھ ساتھ بے ضرر بھی ہے۔ اس کی خوراک جھیلوں، فصلوں اور زمین کے اندر اور باہر کیڑے مکوڑے چن چن کر کھاتا ہے۔ بقول علامہ طنطاوی المصری قدیم مصری اس پرندے کو ”صدیق الفلاح“ زمیندار کا دوست اور ”اخ الفلاح“ زمیندار کے بھائی کے نام سے پکارتے تھے اس لئے کہ مصر کی نہری زمینوں میں کپاس کی فصلوں سے کونج کی فوجیں دن بھر یہی مضر کیڑے مکوڑے چنتی رہتی تھیں۔ یہاں تک کہ قدیم اہل مصر کے نزدیک ”کونج“ اور ”گائے“ کو رفتہ رفتہ تقدس اور معبودیت کا مقام حاصل ہوا۔ وجہ یہ تھی کہ یہ دونوں حیوان کھیتی باڑی اور اس کے تحفظ میں انسان کے عظیم محسن تھے، کیونکہ گائے سے وہ لوگ بل چلاتے تھے۔

علامہ طنطاوی لکھتے ہیں کہ ایک اندازے کے مطابق ”کونج“ جسے عربی میں ”ابو قردان“ کہا جاتا ہے، اس کی تاریخ دس ہزار سالہ قدیم ہے۔ علامہ لکھتے ہیں کہ میں نے خود دیکھا تھا کہ جب زمیندار کھیت

میں پانی چھوڑتا تو کونج کی فوج کھیت سے کیڑے مکوڑے چننے کیلئے آ پہنچتی، نیز جب کوئی زمین دار کھیت میں بل چلاتا تو بھی کونج کی فوج زمین کے اندر چھپے ہوئے کیڑے مکوڑے چن چن کر کھانے کیلئے اس کے پیچھے ہو جاتی، جس کے نتیجے میں کھیت فصلیں، خاص کر کپاس کی فصل جملہ مضر کیڑوں سے محفوظ ہو جاتی، مگر جب سے لوگوں نے اس پرندے کا شکار شروع کیا جس کی ابتداء انگریزوں نے کی تھی تو چند سالوں میں یہ پرندہ انسانی آبادیوں سے فرار ہو کر دریائے نیل کے جزیروں میں پناہ گزریں بنا۔ اہل مصر کی انسانی آبادی سے اس پرندے کا فرار بیسویں صدی عیسوی کی پہلی دہائی کے بعد شروع ہوا۔ نتیجہً فصلیں اور باغات و زراعت پر اس پرندے کی نایابی کے بعد مختلف بیماریوں اور کیڑے مکوڑوں نے جو یلغار شروع کی، اس کا تدارک انسانی تدابیر اور علاج معالجہ سے نہ ہو سکا۔ علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ میں نے اور بعض دوسرے اہل قلم نے رسائل اور اخبارات میں کونج اور دیگر پرندوں کو حکومتی سطح پر قانونی تحفظ دینے کی تحریک شروع کر دی۔ آخر کار مصر کے فرمانروا ”محمد پاشا سعید“ نے کونج اور چند دوسرے پرندوں کے شکار پر پابندی لگا دی۔ علامہ طوطاوی لکھتے ہیں کہ الحمد للہ کہ میں نے اس قانون کے نتیجے میں اپنی

آنکھوں سے دیکھا کہ کونج نے دوبارہ مصری آبادی کا رخ کیا اور اپنی سابقہ خدمات کو اس جوش و خروش سے شروع کیا کہ لوگ انہیں ہٹانے اور بھگانے کی کوشش پر مجبور ہو جاتے، تاہم انہیں مارنے کا تصور تک کوئی نہیں کر سکتا۔

(تفسیر الجواہر ج ۷، ص ۱۱۲۶)

آئیے پاکستان میں کونج کی قدر دانی دیکھتے ہیں۔ پاکستان میں جب سے ہم نے آنکھیں کھولی ہیں تب سے ہم دیکھتے ہیں کہ ”کونج“ موسم سرما کے شروع میں گرم علاقوں اور موسم گرما کے اوائل میں سرد علاقوں کا رخ کرتے ہیں۔ اس ”رحلۃ الشتاء والصیف“ کے دوران ہم دیکھتے ہیں کہ کونج جب پشتون قوم کے علاقوں پر سے گزرتے ہیں تو بہت بلندی پر پرواز کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بندوق کی گولی کی زد سے بالاتر ہوتے ہیں۔ شاید انہیں غیب سے اطلاع دی جاتی ہے کہ اب تم نے ایک ایسی قوم پر سے گزرنا ہے جو تمہاری معصوم جانوں کی بلا وجہ دشمن ہے۔ لہذا اپنی پرواز کو بلند تر رکھو تا کہ ان کی بے رحمانہ فائرنگ سے بچو۔

پشتون قوم خاص کر علاقہ بنوں کے لوگ کونج کی آمد و رفت کے مذکورہ سینر میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اور ہاتھ دھو کر ان کے پیچھے پڑتے ہیں، مناسب مقامات پر خیمے اور جوگیاں نصب کر کے وہاں کھانے پینے

اور ساز و گداز کی محفلیں ہفتوں بلکہ مہینوں تک جمی رہتی ہیں رات کو اپنی پالتو کوچ کی آوازوں یا ٹیپ ریکارڈر کے اندر ٹیپ کردہ آواز سے ہوائی مسافر کوچ کو بہلا پھسلا کر نیچے لے آتے ہیں اور شکاری ان پر اندھیرے میں ایک مخصوص قسم کی لمبی ڈوریاں پھینک کر زندہ پکڑ لیتے ہیں اور صبح کے اجالے میں ان پر بند قوں اور کلاشکوفوں کے دہانے کھول دیتے ہیں۔ اس عمل میں علاقہ بنوں کے بوڑھے، جوان، شاہ و گدا، سب قسم کے لوگ حصہ لیتے ہیں، بلکہ آج کل تو وزیرستان اور بلوچستان جیسے دور دراز علاقوں تک باشندگان بنوں جا پہنچتے ہیں۔

اس لہو لعب کے نتیجے میں لاکھوں روپے مختلف طور طریقوں سے داد عیش وصول کرنے کی نذر ہو جاتے ہیں۔ ان کے قیمتی اوقات اس بے مقصد لہو لعب میں ضائع ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مفید ترین پرندہ کو نہ صرف کھودیتے ہیں بلکہ اس کی نسل کشی کیلئے راستہ ہموار کر رہے ہیں۔ باشندگان بنوں کیید فالی سے کوچ دشمنی کی و باء وزیرستان وانا کے لوگوں میں بھی دو تین سالوں سے پھیلنا شروع ہوئی ہے۔

ایک دلدوز منظر

دو تین سال پہلے کا واقعہ ہے، ماہ رمضان شریف میں کونج کی واپسی کا موسم تھا واپسی کے دوران کونج کے ہمراہ ان کے معصوم بچے بھی ہوتے ہیں۔ اتفاق سے آسمان ابر آلود تھا اور بارش برس رہی تھی۔ باد و باران سے یہ پرندہ خوفزدہ ہو کر زمین پر بیٹھنے کی کوشش کرتا ہے۔ جو کونج کی نیچی پرواز اور آواز لوگوں نے سنی، تو ہر ایک تراویح گزار نے اپنے گھر کے صحن سے آوازوں کے رخ پر کلاشکوفونوں کے دھانے کھول دیئے۔ اگرچہ اندھیری رات میں کسی کو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا اور نہ ہی شکار شدہ کونج کسی کے ہاتھ آنے کی توقع تھی اور نہ ہی کوئی اپنی چار دیواری سے قدم باہر رکھنے کا سوچ سکتا تھا۔

آسمان پر آبادی کے قریب کونج کے بچوں کی سر اسمیگی کے عالم میں دلدوز چیخیں اور فریادان کے والدین کی بے بسی کے عالم میں بچوں کی تلاش کا واویلا اور پکار کا ایک دل سوز اور رقت آمیز منظر اور نیچے زمین سے تراویح گزاروں اور رحمت خداوندی کے طلب گار مسلمانوں کی طرف سے ان پر متواتر بے رحمانہ فائرنگ سے یقیناً میری نہیں سب گھر والوں کی نیندیں اڑ گئیں۔ میں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ جب ایک صحابیؓ نے

کسی پرندے کا بچہ پکڑ رکھا تھا، بچے کی ماں لوگوں کے سروں پر نیچے پرواز کرتی ہوئی گھومتی چینی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باواز بلند فرمایا:
 من افجع هذه بولدھا ”اے کس نے بچے کے غم میں
 تڑپایا؟ اس کا بچہ اس کے حوالے کر دو۔“
 روایات میں آیا ہے۔

کہ جو کوئی چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ رحمت اور شفقت کا برتاؤ کرے تو چاہیے کہ وہ خود خلق خدا کے ساتھ رحم و شفقت کا معاملہ کرتا رہے۔

حیوانات ماحول کو پاک رکھتے ہیں

شہروں اور دیہاتوں کے قرب و جوار میں لوگ عموماً مختلف قسم کی غلاظتیں پھینک ڈالتے ہیں جسے صحت کے اصولوں کے مطابق ٹھکانے لگانے کا کوئی انتظام نہیں ہوتا، جن کے گلنے سڑنے سے ماحول میں بدبو پھیلتی ہے اور فضا زہر آلود ہو کر مختلف وبائی امراض کے پھیلنے کا اندیشہ ہوتا ہے مگر قدرت کی طرف سے مقرر کردہ یہی خدائی خدمتگاران غلاظتوں کا صفایا کر لیتے ہیں۔ دن بھر کوئے، چیل، کتے اور بلیاں اور رات بھر دوسرے جنگلی درندے اسی خدمت میں لگے رہتے ہیں اور راتوں رات

اس غلاظت کی کافی حد تک صفائی کر لیتے ہیں ۔
 پرندوں اور دیگر حیوانات کی خدمت گزاری اور کھیتی باڑی اور
 باغبانی میں معاونت کی یہ جھلک جاننے والوں کے لئے کافی ہے ۔ البتہ
 ان پرندوں اور حیوانات کی افادیت کا اس سے اہم پہلو تاہنوز مخفی ہے ۔
 اس کے بارے میں کچھ سنتے جائیں تاکہ ان خدائی خدمتگاروں کی منفعت
 اور افادیت پوری طرح اجاگر ہو سکے ۔

پودوں میں نر اور مادہ اور ان کا شادی بیاہ

قوله تعالى: سبحان الذي خلق الأزواج كلها مما

تنبت الأرض و من انفسهم و مما لا يعلمون .

”پاک ہے وہ ذات جس نے سب چیزوں کے جوڑے بنائے ہیں (نر اور
 مادہ) اس میں سے جو اگتا ہے زمین سے اور خود ان میں سے (انسانوں میں
 سے) اور ان چیزوں میں سے کہ جن کی انسان کو خبر نہیں ہے۔“
 (پارہ ۲۳، لیس، آیت ۳۶)

قوله تعالى: اولم يروا الى الارض كم انبتنا فيها من

كل زوج كريم .

”کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے نباتات کی ہر قسم میں سے

بہترین جوڑے نر اور مادہ اگادیئے ہیں۔“

(پارہ ۱۹، اشعرا، آیت ۷)

قرآن کریم کا اعجاز دیکھئے کہ جس زمانہ میں چند جانے پہچانے حیوانات اور درختوں کے سوا دیگر کائنات میں زوجیت یعنی نر اور مادہ کا انسان تصور نہیں کر سکتا تھا۔ اس زمانہ میں قرآن اعلان کرتا ہے کہ قانون زوجیت جملہ کائنات پر حاوی ہے۔

و من کل شئی خلقنا زوجین لعلکم تذکرون .

”اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنا دیئے ہیں شاید تم سمجھ بوجھ

سے کام لو۔“

(پارہ ۲۷، الذاریت، ۴۹)

آج سائنسدان ایٹم کے ننھے ذرات ”الیکٹران“ اور ”پروٹان“ میں بھی زوجیت (مثبت اور منفی) قانون کے قائل ہو گئے ہیں۔ نباتات اور زمین سے اگنے والی چیزیں بعض وہ ہیں جن میں نر اور مادہ مواد کے حامل پودے الگ الگ ہوتے ہیں جیسے کھجور، پستہ اور شہتوت کے درخت یا دیگر پھول وغیرہ اور بعض وہ ہیں جن میں نر اور مادہ اعضاء ایک ہی پودے میں رہتے ہیں البتہ ان کی رہائش گاہوں میں تھوڑا بہت فاصلہ ہوتا ہے، مثال کے طور پر مکی کا پودا لیجئے۔

مکئی کا پودا اور عجائبات قدرت

مکئی کے پودے میں نرمواد پودے کے پھول نما چوٹی میں رہتے ہیں اور مادہ اعضاء مکئی کے وسط میں چھلے (جسے پشتو میں ”سوتا“ کہا جاتا ہے) پر قطاروں میں رہتے ہیں۔ قدرت نے ان مذکر اور مونث (نر و مادہ) کو آپس میں ملانے کیلئے عجیب و غریب ریشمی راستے یا لچائیں بنا دیئے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ چھلے کے منہ یعنی سرے پر ریشمی دھاگوں کا ایک گچھا نمودار ہوتا ہے۔ جن کے اندرونی سرے چھلے کے اوپر پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان ریشمی دھاگوں کے اندر باریک باریک سوراخ ہوتے ہیں جو مادہ اعضاء تک پہنچتے ہیں۔ ”نر“ مواد مونث یعنی مادہ اعضاء کی طلب میں نیچے گرتے ہیں اور انہی ریشمی سوراخوں اور راستوں سے داخل ہو کر اپنی زوجات سے جا ملتے ہیں جس کے نتیجے میں مکئی کے چھلے پر دانے بن جاتے ہیں اور جس خانہ میں نرنہ پہنچ سکے وہاں دانہ نہیں بنتا اور خانہ خالی رہ جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ تمام غلے، دانے، میوہ جات اور سبزیاں جسے ہم روزمرہ استعمال کرتے ہیں اسی طرح نر اور مادہ کے ملاپ کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں جیسے حیوانات کی پیدائش کا طریقہ ہے۔

”فسبحان الذی احسن الخالقین“

انسانوں کی شادی بیاہ کے مراسم ابتداء سے آخر تک ہم نے دیکھے ہیں کہ زوجین (خاوند بیوی) کے سوا دوسرے رشتہ دار، عزیز و اقارب ان کے وصال کا کام سرانجام دیتے ہیں۔ شادی کی تقریب میں موسیقی، رقص و سرود، زرق برق اور رنگ برنگ لباس، عطریات، شیرینی اور دعوتیں ہوتی ہیں۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ شادی، بیاہ کی خوشیوں کی یہ محفلیں اور مسرتیں صرف انسانوں کیلئے ہیں۔ دوسری مخلوقات کو اللہ تعالیٰ نے اس سے محروم رکھا ہے؟ ہرگز ایسا نہیں۔

وما من دابة فى الارض ولا طائر يطير بجناحه الا امم امثالكم .

”اور نہیں کوئی حرکت کرنے والی چیز زمین میں اور نہ کوئی اڑنے والی چیز جو اڑتی ہے اپنے دونوں پروں کے ساتھ مگر وہ تمہاری جیسی امتیں ہیں۔“ (پارہ ۷، انعام، آیت ۲۸)

وما يعلم جنود ربك الا هو
”اور نہیں جانتا تیرے پروردگار کی فوجیں اور ان کی کارکردگیاں سوا اللہ کے۔“ (پارہ ۲۹، مدثر، آیت ۳۱)

موسم بہار میں اکثر میوہ دار درختوں، سبزیوں اور گل بوٹیوں پر

ابتداء میں رنگ برنگ چھوٹے بڑے پھول نمودار ہوتے ہیں جن میں مختلف اقسام کی خوشبو ہوتی ہے اور ان پھولوں کے اندر شہد جیسا شیریں اور میٹھا مواد ہوتا ہے۔

بلبل اور موسم بہار کے دیگر رنگ برنگ پرندے، رنگین تتلیاں، شہد کی مکھیاں، جگنو اور دیگر اڑنے والے ان گنت حیوانات میں سے بعض تو پھولوں کے حسن و جمال پر عاشق ہوتے ہیں بعض ان کی خوشبو اور عطربیزی کے دلدادہ ہوتے ہیں، کچھ ان کے اندر میٹھا س اور حلاوت پر مر مٹتے ہیں اور بعض ایک دوسرے کو شکار کرنے کے پیچھے پڑے رہتے ہیں ہر ایک نوع اپنے مطلوب کی طلب میں متانہ وارا ایک پھول سے دوسرے پھول، ایک گل بوٹے سے دوسرے گلبن اور ایک شاخ سے دوسری شاخ تک اڑتے پھرتے ہیں۔ اڑنے والی چیزوں کے اس عمل کے نتیجے میں مذکر (نر) اجزاء اپنی زوجات کی تلاش میں اور طلب کی غرض سے ان اڑنے والی چیزوں کے پاؤں، چونچوں اور دانتوں سے چمٹ کر مونٹ (مادہ) اعضاء تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں، ان کی وصال کے نتیجے میں قدرت انسانوں اور ان کے چوپایوں کیلئے لقمہ تر وجود میں لاتی ہے۔

قدرت کی موسیقی

اگر موسم بہار میں ہم کسی باغ، سبزہ زار یا جنگل میں خاموش کھڑے ہو کر ہمہ تن گوش بن جائیں اور بلبل کے نعمات، فاختہ اور قمری کی ”کوکو“، کونل کی تیز سریلی آواز، مختلف چڑیوں کے مختلف گانے، شہد کی مکھیوں وغیرہ کی بھنبھناہٹ کی ملی جلی موسیقی غور سے سنیں تو انسانوں کی مصنوعی موسیقی بھول جائیں۔

موسم بہار میں ہر طرف نباتات کی شادی بیاہ کی محفلوں میں گویا قدرت کی طرف سے رقص و سرود کی ہنگامہ آرائیاں ہیں۔

بے رنگ و بو پودے اور ان کی شادی بیاہ

ہم جانتے ہیں کہ بعض پودے بے رنگ و بو ہوتے ہیں جن میں اڑنے والی چیزوں کیلئے جاذبیت اور کشش نہیں ہوتی، ان کے نر اور مادہ کے عمل تلیق یعنی ملاپ کیلئے قدرت نے متبادل انتظام کر لیا ہے۔ وہ اس طرح کہ قدرت ایسے درخت اور پودوں کے حمل کے موسم میں تیز ہوائیں چلاتی ہے جن کی وساطت سے مذکورہ اجزاء (نر اعضاء) ہوا کے ساتھ اڑ کر

مؤنث اعضاء (مادہ) سے جالتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

و ارسلنا الريح لواقع.

”اور ہم نے بوجھل کرنے (حاملہ بنانے) والی ہوائیں

چلائیں۔“ (پارہ ۱۴، الحجر، آیت ۲۲)

علامہ راغبؒ لکھتے ہیں:

يقال الفح الفحل الناقه.

”عربی میں کہا جاتا ہے کہ نراونٹ نے مادہ اونٹنی کو بوجھل بنایا

یعنی حاملہ کر دیا۔“

(مفردات، ص ۴۶۸)

یہ گویا کہ صوفی مزاج اور تقویٰ شعار انسانوں کی شادی بیاہ ہے جس میں رنگ و بو، رقص و سرود کی کوئی آمیزش نہیں ہوتی۔ تجربہ شاہد ہے کہ جن باغات اور کھیتوں کے قرب و جوار میں شہد کی مکھیوں کے چھتے ہوتے ہیں ان کے پھل اور غلے دانوں میں دوسروں کی نسبت فراوانی ہوتی ہے۔ منشور ابراہیمی اور وحی آسمانی میں پرندوں اور جنگلی حیوانات کو امن و تحفظ دینے کی جو تعلیم دی گئی ہے اس کے حکمتوں اور اسرار کی ایک جھلک آپ نے گذشتہ صفحات میں پڑھ لی جس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انسانی معیشت، زراعت اور ترقی کیلئے پرندوں اور حیوانات کی

موجودگی کتنی ضروری ہے مگر کاش کہ مسلمان کو یہ سمجھ آ جائے۔

پشتون قوم کی معکوس ذہنیت

آج کل کم از کم اتنی بات ہر کسی کو معلوم ہے کہ سائنس نے تجربات سے ثابت کیا ہے کہ درخت، پودے، سبزہ زار اور حیوانات یعنی جنگلی چرندوں اور پرندوں کی وافر مقدار میں موجودگی انسان کی بقاء اور ترقی اور ماحولیات کی پاکیزگی کیلئے انتہائی ضروری ہے۔ اسی بناء پر غیر مسلم اقوام نے دونوں (جنگلات اور حیوانات) کی افزائش اور تحفظ کیلئے مستقل ادارے قائم کئے ہیں۔ جن پر سالانہ بڑی بڑی رقومات خرچ کر رہے ہیں، ان کی پیروی میں پاکستان اور بعض دوسرے اسلامی ممالک بھی کسی قدر متحرک ہوئے ہیں مگر برائے نام اور وہ بھی ڈنڈے کے زور پر، تاہنوز مسلمان قوم ذہنی طور پر اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے انجانے شوق و طلب میں مست ہے اور خاص کر پشتون قوم تو اس سلسلے میں دوسروں سے ایک قدم آگے ہے نہ کہیں خود را اور جنگلی درخت چھوڑتا ہے اور نہ ان کے نوزائیدہ چھوٹے بچوں کو معاف کرتا ہے اور نہ ہی کاٹے ہوئے درختوں کی جگہ دوسرے مفید تر پودے کاشت کرتا ہے رہا پرندوں اور حیوانات کے قتل عام، تو یہ ان کا محبوب مشغلہ ہے۔

پرندوں میں نقصانات بھی ہیں مگر فوائد کی نسبت بہت کم
 بعض ناظرین شاید میرے پچھلی تحریر سے اتفاق نہیں کریں گے،
 اس لئے کہ ان کی فصل اور میوہ جات کو بعض پرندوں نے اور اس کی مرغی
 کے انڈے کو بعض درندوں نے کھاپی کر گزند پہنچائی ہوگی، مگر یاد رہے کہ
 اس دنیا میں قدرت نے خیر اور شر کو مخلوط اور دوش بدوش پیدا کر دیا ہے۔
 آپ کو جس چیز میں خیر ہی خیر نظر آئے گی اس کے ضمن میں تھوڑا بہت شر
 ضرور موجود ہوگا، اسی طرح جسے آپ سراپا شر سمجھتے ہیں اس میں بھی خیر کا
 پہلو یقیناً موجود ہوگا۔ بجز چند مستثنیات کے۔

ازین چمن گلے بے خار کس نہ چید آری

چراغ مصطفوی با شرار بولہبیت

حسن ز بصرہ بلا از جہش صہیب ز شام

ز خاک مکہ ابو جہل ایں چہ بوالعجیت

لہذا اس دنیا میں جس چیز کے اندر خیر اور منفعت کا پہلو غالب اور

عام ہوا سے خیر ہی سمجھنا ہوگا اور جس میں شر اور نقصان کا عنصر غالب ہو اور

عام ہوا سے شر قرار دیا جائے گا۔

چینیوں کی پرندوں کے خلاف مہم اور اس کا نتیجہ

علامہ طنطاویؒ نے اپنی تفسیر ”الجواہر“ میں چینیوں کا پرندوں کے بارے میں ایک عجیب قصہ نقل کیا ہے۔ علامہ لکھتے ہیں کہ ماضی میں چین کے کسانوں اور زمینداروں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ ہماری فصلوں اور میوؤں کو پرندے سالانہ لاکھوں کا نقصان پہنچاتے ہیں لہذا ان کے قتل عام کا حکومتی سطح پر کوئی منصوبہ بنا چاہیے، چنانچہ حکومت نے منظم منصوبے کے تحت جملہ پرندوں کا ملک بھر میں خاتمہ کر دیا کسان اور عوام خوش تھے کہ ہم نے بہت کچھ کمایا مگر انہیں اپنی حماقت اس وقت نظر آئی جب ان کی امیدوں کے برعکس اس سال ان کی فصلوں اور باغات پر دشمن کیڑوں نے یلغار شروع کر دی، فصلوں اور باغات میں وبائی امراض پھیلیں جن کا تدارک کسی کے بس میں نہ تھا اس طرح چینی کسان اپنے ہاتھوں سب کچھ کھو بیٹھے۔

چنانچہ آئندہ سال کیلئے حکومت نے دور دراز مقامات اور ممالک سے ضائع کردہ جملہ پرندوں کے نسلوں کو لانے پر بڑی رقومات خرچ کیں اور انہیں اپنے ہاں دوبارہ آباد کیا۔

چند اشکالات اور ان کا حل

میرا ایک مخلص شاگرد اور دوست ہے جو کچھ پڑھا لکھا بھی ہے اور اس کا اٹھنا بیٹھنا بھی علماء کے ساتھ ہے، تصوف کی کتابوں کا بھی شوقین ہے، تبلیغی جماعت والوں کے ساتھ بھی وابستگی ہے، ذہن اور عقیدے کے لحاظ سے دنیا کو مردار اور پلید سمجھتا ہے۔ اور دنیا کمانے کیلئے محنت اور دوڑ دھوپ کرنا بے دینی اور عمر کا ضائع کرنا جانتا ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ اگر آج بھی مسلمان امت نے دنیا کا کام چھوڑ کر سب نے اپنی زندگی دین کے لئے وقف کر دی (دین سے ان کی مراد قرآن و حدیث کے جملہ احکام اور علوم نہیں، بلکہ چند عبادات اور مستحبات کے اندر دین کو محدود اور محصور سمجھتا ہے) تو اللہ تعالیٰ غیبی تائید اور فرشتوں کے ذریعے مسلمان امت کا ہر کام خود کرے گا اور کفار کی طاقت اللہ تعالیٰ کی طاقت کے سامنے کچھ بھی نہیں، لہذا اللہ تعالیٰ کفار کو شکست دے گا اور مسلمان امت کو واحد سپر پاور بنا دے گا وغیرہ وغیرہ۔ مگر یہ سب کچھ اس کے عقیدے، زبانی بیان، اس کے علم اور سمجھ کا خلاصہ ہے۔

عملی دنیا میں میرا یہی دوست دنیا کمانے میں کسی سے پیچھے ہرگز نہیں بلکہ کہنے والوں کے مطابق مال کمانے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے

جانے نہیں دیتا خواہ وہ شرعاً و عرفاً معیوب کیوں نہ ہو۔ قصہ کوتاہ میرا یہی دوست میری اس تالیف کو شروع کرنے پر نہ صرف معترض تھا بلکہ برہم اور جذباتی بھی تھا چونکہ وہ میرے اس مسودے کو دیکھتا رہتا تھا اس لئے کہنے لگا کہ مجھے وقت دو مجھے چند شبہات ہیں ان کا ازالہ چاہتا ہوں۔ میں نے لیک کہہ کر وقت دیا۔ لہذا جو کچھ سوال و جواب ہمارے درمیان ہوئے وہ آپ بھی پڑھیے۔

سوال: میں نے سنا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ باغ میں پودے لگا رہے تھے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ابو ہریرہ! تمہارے لئے بہتر ہے کہ جنت کے باغوں میں پودے لگا لو یعنی دنیا میں باغات بنانا چھوڑ کر دین کی خدمت کے لئے زندگی وقف کر لو تو حضور علیہ السلام کے اس فرمان سے ثابت ہوا کہ مسلمان کو چاہیے کہ یہاں کے باغات پر وقت ضائع نہ کرے۔

الجواب: جانا چاہیے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے دارالعلوم اور مدرسہ کا طالب العلم تھا جس نے قرآن و حدیث کے علوم اور مسائل سیکھنے کیلئے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی، حضور علیہ السلام کے تمام اعمال اور حرکات و سکنات قرآن کریم کی تفسیر اور بیان تھا اور ان سب کا

نام حدیث ہے۔ لہذا حضور علیہ السلام کے مدرسہ کے طلباء کو تعطیلات اور رخصتیں لمحہ بھر کیلئے نہیں مانتی تھیں۔

مکتب عشق کے انداز نرالے دیکھے

اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

جس کو کوئی ضرورت پیش آتی تو وہ باقی ماندہ احادیث کو دوسرے

طلباء سے سن کر یاد کر لیتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث

سیکھنے اور یاد کرنے کیلئے اپنی زندگی وقف کر لی تھی، یہاں تک کہ وہ کھانے

تک جیسی ضروریات زندگی کیلئے کچھ کمانے کیلئے فارغ نہ تھے۔ فاقے پر

فاقے جھپکتے تھے، بھوک سے ایسی بری حالت ہو جاتی کہ زمین پر گر کر

بیہوش ہو جاتے مگر کسی سے اظہار نہ کرتے تھے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خود

فرماتے ہیں کہ لوگ سمجھتے تھے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر مرگی کے دورے

پڑتے ہیں حالانکہ میں صرف بھوک سے بیہوش ہو جاتا تھا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے ساتھ سایہ کی طرح

لازم اور پیوست رہتے تھے اور حضور علیہ السلام نے احادیث یاد کرنے

کیلئے ابو ہریرہ کو خصوصی دعامادی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود اس کے کہ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہ میں اسلام لائے تھے، اس تھوڑے عرصے

میں حضرت ابو ہریرہ سے جس کثرت سے احادیث منقول ہیں اتنی کثرت سے کسی دوسرے صحابی سے منقول نہیں ہیں حالانکہ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ابتداء ہی سے حضور کی رفاقت اختیار کر چکے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ انصار اور مہاجرین دن بھر بازاروں میں تجارت کرتے اور زراعت اور باغات میں کھیتی باڑی کرتے اور میں احادیث اور علوم نبوت سیکھتا اور یاد کرتا رہتا۔ خلاصہ جواب یہ ہے کہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ طالب العلم تھے اور طالب العلم کے کئے حصول علم کے دوران دوسرے کاموں کی آج بھی اجازت نہیں دی جاتی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے عمل سے دلیل پکڑنے والوں پر لازم ہے کہ وہ اسلامی مدارس میں ماہرین علوم قرآن و حدیث کی خدمت کیلئے زندگی وقف کریں اور نہ ہی کم از کم ۴۰ احادیث کے الفاظ، معانی اور تشریحات تو کسی ماہر استاد سے پڑھ کر اور یاد کر کے دوسروں تک تو پہنچائیں تا کہ قیامت کے دن حشر علماء کرام کے ساتھ ہو۔

سوال: بے شک قرآن اور حدیث سے دنیا اور مال و دولت کی مذمت اور

برائی ثابت ہے مثلاً قرآن میں ہے۔

انما اموالکم و اولادکم فتنۃ

”بے شک تمہارا مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں“

و ما الحیوة الدنیا الا متاع الغرور .

”دنیا کا سامان عیش و عشرت دھوکہ ہے“

حدیث میں ہے کہ دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اگر دنیا کی قیمت مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافر کو پانی کا ایک گھونٹ نہ دیتا وغیرہ۔

ان جیسی بیسیوں آیات اور احادیث سے دنیاوی ترقی، جاہ و جلال، دولت و زر کی برائی ثابت ہوتی ہے، مگر آپ اسے اللہ تعالیٰ کا فضل، رحمت اور نعمت ثابت کرنے کیلئے کتابیں لکھ رہے ہیں۔

جواب: میں نے جو کچھ لکھا اپنی طرف سے ایک لفظ بھی نہیں لکھا

ہے بلکہ میری کتاب کی ورق گردانی کیجئے ہر بات کے ثبوت کیلئے قرآن کریم، احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور مذہب اسلام کے عظیم مستند ائمہ اور علماء عہد حمہم اللہ کے اقوال اور افعال کے حوالے اور سند ات پیش کیں ہیں، آپ جذباتی ہو کر مجھ پر برس پڑنے کی

بجائے سنجیدگی کے ساتھ دین اسلام، قرآن و حدیث کی سمجھنے کی کوشش کریں اور مجھ سے دریافت کریں کہ قرآن اور حدیث کا اس بارے میں بظاہر تعارض اور ٹکراؤ کا حل اور تطبیق کیا ہے؟ آپ اس ضد اور ہٹ دھرمی کی روش کو چھوڑ دے کہ جو کچھ تو نے سنا ہے اور جو کچھ تیرے عقیدے اور ذہن میں بیٹھ چکا ہے وہی دین اور اسلام ہے۔ اس کے خلاف ہر بات کو کسی حیلے اور بے جاتاویل اور اپنے عقلی جوابات کے نتیجے میں نہ صرف ٹھکراتے ہو، بلکہ سننے اور پڑھنے کیلئے تیار نہیں ہو، یہاں تک کہ اگر کوئی اور عالم دین قرآن و حدیث کی روشنی میں کوئی ایسا وعظ و بیان کرے یا کوئی تصنیف کرے جو کہ آپ کی چند باتوں اور پروگرام سے باہر ہو تو آپ اسے اپنا دشمن اور دین اسلام کا دشمن سمجھنے لگتے ہو، اس طرح چند غیر ضروری باتوں کے سوا قرآن کریم کی ہزاروں آیات، حضور علیہ السلام کی لاکھوں احادیث اور علماء اسلام، ائمہ اربعہ کے جملہ علوم تفاسیر، احادیث کی شروح، فقہ، اصول فقہ اور علم عقائد وغیرہ سے ہاتھ دھو کر شیطان کی آغوش میں جا پہنچیں گے۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

اب میرا دوست سنجیدہ ہو کر کہنے لگا کہ اچھا اب میری مشکل کو حل کیجئے کہ میں نے جو آیات اور احادیث پیش کی ہیں دنیا کی مذمت اور

برائی میں وہ صحیح ہیں اس پر مسلمان کو عمل کرنا چاہیے یا آپ نے دنیا کی اچھائی اور فوائد کے بارے میں جو آیات اور احادیث پیش کی ہیں وہ صحیح ہیں ان پر مسلمان کو عمل کرنا چاہیے۔

میں نے اسے بتایا کہ دونوں قسم کی آیات اور احادیث صحیح بھی ہیں اور دونوں قسموں پر مسلمان کیلئے عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ تفصیل پڑھیے۔

مال و دولت کی برائی اور اچھائی میں خط امتیاز

جاننا چاہیے کہ قیامت میں خیر و شر، اچھائی اور برائی بالکل الگ الگ ہیں، خیر و خوبی کی جملہ اقسام جس مقام پر جمع ہوتی ہیں اسے جنت کہا جاتا ہے اور شر و بدی جہاں جمع ہیں اسے جہنم کہا جاتا ہے، مگر اس دنیا میں خیر اور شر، اچھائی اور برائی ایک ساتھ اور دوش بدوش جمع ہیں مثلاً

بہادری اور شجاعت میں ایک پہلو ظلم کا ہے اور ایک جہاد کا، شہوت رانی اگر اپنی بیوی سے ہو، عبادت ہے اور اگر اجنبی سے ہو تو زنا ہوگا۔ یہی کیفیت جملہ عبادت کی ہے اگر اس میں ریا اور نمود ہو تو گناہ ہے اور اگر خلوص و لہیت ہو تو ثواب ہے۔ مال و دولت کی محبت میں اگر اتنا غلو اور شدت ہو کہ کمانے میں حلال اور حرام کی تمیز نہ ہو اور خرچ کرنے میں

اللہ کے احکام کی پابندی نہ ہو، تو یہی وہ مال ہے جس کا اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر قدر و قیمت نہیں، ورنہ کافر کو ایک قطرہ نہ دیتا یہی وہ مال ہے جو تمام برائیوں کی جڑ ہے اور مردار نجاست ہے۔ قرآن و حدیث میں مال و دولت کی مذمت میں جتنے احکام آئے ہیں ان سے یہی مال خبیث اور کسب خبیث مراد ہے۔

دوسری جانب مال و دولت کو قرآن میں جو ”فضل اللہ“ قرار دیا ہے یا اسے ”خیر“ بہت بہتری قرار دیتا ہے، احادیث اسے ”فريضة بعد الفريضة“ فرض عبادت کے بعد دوسرا فرض رزق حلال کی تلاش ٹھہراتا ہے اس سے مراد رزق حلال اور کسب حلال ہے۔

ایک فقہی تحقیق

فقہاء کرام نے یہ بحث چھیڑی ہے کہ غنی ہونا افضل ہے یا فقیر ہونا۔ صاحب مبسوط علامہ حسنی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ”المبسوط، ج ۳۰“ میں دونوں جانب کی طرف مائل فقہاء کی دلچسپ بحث کی ہے مگر یاد رہے کہ غنا اور فقر کے بارے میں فقہاء کا یہ اختلاف فرد کی شخصی اور انفرادی حیثیت کا مسئلہ ہے، اسے امت کا اجتماعی مسئلہ قرار دینا از روئے عقل و نقل غلط فہمی ہوگی۔

از روئے شریعت امت مسلمہ کا فریضہ ہے کہ وہ زمین کے اندر
 ”خلافت“ اور خدائی عدل و انصاف پر مبنی حکومت قائم کریں اور زمین
 کے اندر جہاں فتنہ و فساد مٹھائے اسے کچل دیں۔

اس مقصد کے حصول کیلئے مسلمان امت کا فریضہ ہے کہ حکمرانی
 کے ہر شعبہ میں وہ دنیا بھر میں واحد سپر پاور ہونے کا مقام حاصل
 کریں۔ اور ہر ایک جانتا ہے کہ اس عالم اسباب میں آج کل کے زمانے
 کے لحاظ سے کھربوں روپے کے نہیں بلکہ ہزاروں کھرب کی دولت کا
 حصول بھی امت کا فریضہ ہے۔ اس کے بغیر امت مسلمہ کا سپر پاور بننا
 ممکن نہیں۔ لہذا اجتماعی حیثیت کے لحاظ سے امت کیلئے فقیر اور محتاج ہونا
 افضل تو کیا بلا خلاف عظیم گناہ ہوگا۔

علامہ شمس الحق افغانی ”تحریر فرماتے ہیں۔

”مسلمانوں پر اپنی استطاعت کے دائرہ میں ان تمام آلات
 اور اسباب کی فراہمی فرض ہے جس سے وہ دشمن پر غالب آسکتے ہوں اور
 اس کو مرعوب کر سکتے ہوں اس میں آلات حرب، اسباب زراعت،
 سامان صحت اور ذرائع مواصلات کی اتنی مقدار میں تیاری فرض ہوگئی ہے
 جو تمام دشمنوں کو مرعوب کر سکے، آلات حرب میں بدوق سے لے کر

ہائیڈروجن بم تک اور بری، بحری اور ہوائی بیڑے کے تمام وسائل شامل ہیں، اگر اس میں ہم نے معمولی سی بھی کوتاہی کی تو یہ از روئے قرآن جرم اور حکم الہی کی نافرمانی ہوگی۔“ علامہ آگے لکھتے ہیں

”مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ تمام جدید آلات میں اتنی ترقی کریں کہ مسیحی اقوام سے سبقت نہ لے جائیں تو کم از کم ان کے مساوی ضرور ہوں اور عالم اسلام اس کیلئے اپنی پوری قوت استعمال کرے نماز، روزہ اور حج کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نہیں دیا کہ جتنی طاقت ہو اتنی نماز پڑھو یا روزے رکھو، حج کرو یا زکوٰۃ دو، سورکعت نماز پڑھنے کی طاقت ہو، تب بھی پانچ وقت میں اللہ تعالیٰ نے سترہ رکعت نماز فرض قرار دی ہے، سال بھر میں صرف ایک ماہ روزے اور زکوٰۃ اڑھائی فیصد اور عمر بھر میں حج ایک مرتبہ فرض کیا، بقدر طاقت فرض نہیں کیا، لیکن سامان جنگ اور اسباب دنیاوی ترقی کے متعلق کا جو حکم دیا گیا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے استطاعت کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ ”و اعدّوا لہم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترہبون بہ عدو اللہ و عدوکم“۔

(انفال آیت ۳)

جس حد تک تمہارے بس میں ہو پوری قوت اور پلے ہوئے

گھوڑے فراہم کرو جس سے تم اپنے اور اللہ کے تمام دشمنوں کو مرعوب کر سکو۔ (علامہ لکھتے ہیں) ”جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسلمان قوم یا حکومت دس لاکھ ہوائی جہاز یا ایٹم بم یا دوسرا سامان بنانے کی طاقت رکھتے ہوئے اس میں کمی کریں تو حکم الہی کے ترک کی وجہ سے سب گنہگار اور مجرم قرار پائیں گے۔“

(ترقی اور اسلام ص، ۲۶۲ تا ۲۶۳ ایف علامہ افغانی)

خلاصہ بحث یہ ہوا کہ شریعت کے دائرہ کے اندر نیک مقصد کے حصول کیلئے مال و دولت کمانا، بھرپور ترقی اور سپر مقام پر جا پہنچنا امت مسلمہ کیلئے نہ صرف جائز اور باعث ثواب ہے بلکہ امت کا مذہبی فریضہ بھی ہے اور شریعت کی اجازت کے بغیر دولت کمانا یا ناجائز مقصد کیلئے کمانا مذموم اور حرام ہے۔

سوال: ہمیں روزی کی فکر نہیں کرنی چاہیے اور نہ ہی اس کی دعوت چلانے کی ضرورت ہے اس لئے کہ روزی دینے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمے لے رکھی ہے۔

جواب: اس سوال کا تفصیلی جواب کتاب ہذا کے صفحہ ۶۲ پر ملاحظہ فرمائیں، البتہ اتنا عرض کر دوں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری لینے کی وجہ سے

کوئی روزی کمانا چھوڑ سکتا ہے تو پھر دین کی خدمت، درس و تدریس اور دعوت و تبلیغ بھی چھوڑ دینی چاہیے کیونکہ دین کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اللہ نے لے رکھی ہے۔

انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون
 ”بے شک ہم نے قرآن نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں“

سوال: آج کل مسلمانوں کو دولت کمانے کی ترغیب دینے کی ضرورت نہیں مسلمانوں میں دنیاوی چیزوں کی کمی نہیں، اگر کمی ہے تو دین کی ہے آج مسلمانوں کی بربادی کا واحد سبب دنیا کی فراوانی ہے۔

الجواب: اگر مسلمانوں کی دنیا کی فراوانی اور خود کفالت سے کسی فرد کے گھر کی چار دیواری کے اندر ضروریات میں خود کفالت، تو یہ الگ بات ہے ورنہ امت کی اجتماعی ضروریات میں مسلمان کسی ایک شعبے میں بھی خود کفیل نہیں، شاہ اور گدا نے گداگری کا پکول گلے میں ڈال کر در بدر مانگتا پھرتا ہے اور دست سوال بھی کافروں کے در پر پھیلاتا ہے۔ تفصیل کیلئے اس کتاب کا صفحہ ۶ سے چند اوراق ضرور دوبارہ پڑھیے، بیشتر سوالوں کا جواب خود بخود دل جائے گا۔

سوال: کھیتی باڑی کی مذمت حدیث سے ثابت ہے

بخاری شریف میں ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے ایک گھر میں کھیتی باڑی کے آلات دیکھے تو کہنے لگے کہ جس گھر میں یہ داخل ہوئے وہاں ذلت داخل ہوئی اور اس قول کو انہوں نے حضور علیہ السلام کی طرف منسوب کیا، نیز روایات میں بیل، گائے کے پیچھے پڑنے (یعنی ہل چلانے) کی مذمت آئی ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے کاشتکاری کی ترغیب دینے کی کوشش مسلمانوں کو پستی کی طرف دھکیلنا نہیں تو اور کیا ہے؟

نیم ملا خطرہ ایمان

دین اسلام صراط مستقیم اور راہ اعتدال ہے، جس میں سابقہ ادیان اور مذاہب نیز قیامت تک آنے والے حالات کو پیش نظر رکھ کر افراط و تفریط سے ہٹ کر راہ اعتدال اختیار کرنے پر زور دیا گیا ہے، اسی طرح حضور علیہ السلام اور آپ کے اولین شاگرد صحابہ کرام نے جس کسی میں جس کام کے بارے میں اعتدال اور میانہ روی کے معیار سے تجاوز یا کمی دیکھی فوراً اسے ٹوکا اور علاج بالفسد کے قانون کے تحت اس شخص یا اس قوم کی روش کی مذمت بیان کی۔

مثلاً جب حضور علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ صحابہ کرام میں بعض لوگ عبادت گزاری میں میانہ روی سے تجاوز کرنے لگے ہیں یہاں تک کہ بعض پوری زندگی عبادت کیلئے وقف کرنا چاہتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ عمر بھر دن کو روزے رکھوں گا، کوئی کہتا ہے کہ روزانہ ختم قرآن کروں گا، تو کوئی کہتا ہے کہ رات بھر نوافل پڑھتا رہوں گا، حضور علیہ السلام نے منبر پر ایک تبلیغ اور زوردار خطاب کر کے مذکورہ روش کی سختی سے تردید فرمائی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ وہ جلیل القدر صحابی ہیں جو حضور علیہ السلام کے ساتھ سایہ کی طرح پیوست رہتے تھے اور صحابہ کرام میں تصاحب النعلین والوسادة حضور علیہ السلام کے جوتے مبارک اور سر ہانہ ساتھ لئے پھرنے والے کے لقب سے مشہور تھے۔ نیز حضور علیہ السلام نے صحابہ سے فرمایا تھا کہ ابن مسعود جو کچھ پڑھائے یا سنائے وہ درست ہوگا، گویا اس طرح حضور علیہ السلام نے آپ کو دینی علوم کی دعوت و تبلیغ کی خصوصی سند عطا فرمادی تھی، یہی وجہ ہے کہ مذہب احناف کے مسائل کا بیشتر حصہ صحابہ کرام میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت پر مبنی ہے۔

آپ سے جب صحابہ کرام نے مطالبہ کیا کہ ہمیں روزانہ دعوت و

تبلیغ، وعظ و نصیحت سے نوازا کرو تو آپ نے اس مطالبہ کو رد فرمایا اور انہیں سمجھایا کہ جیسے حضور علیہ السلام ہمیں یعنی مسلمانوں کو دعوت و تبلیغ دینے میں ہماری ضروریات کی رعایت ملحوظ رکھتے ہیں بھی ویسا ہی کروں گا۔ لہذا ہفتہ میں ایک مرتبہ دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت کروں گا۔ قرآن و حدیث، صحابہ کرام، علماء کرام کی تعلیمات پر نظر ڈالنے کے لیے کہیں دنیا کی مذمت نظر آئے گی اور کہیں دبدبہ اور تاج و تخت سلیمانی، کہیں فقر ابو ذر غفاریؓ اور کہیں عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مال و دولت کے قافلے۔

ان پڑھ سننے والے جب فتویٰ دینے لگتے ہیں تو فساد

پھیلاتے ہیں

آج کل مخصوص حالات کے پیش نظر جب کوئی عالم دین کسی خاص خدمت کے لئے اگر قارئین کو تیار کرنا چاہتا ہو تو وہ اسی مخصوص موضوع پر قرآن و حدیث، صحابہ عظام اور اولیاء کرام کے قول و عمل سے بھرپور انداز میں استدلال کرتا ہے۔ اسکے نتیجے میں اس عالم کے ہم خیال عوام محفل دعوت و تبلیغ سے نکل کر گلی کوچوں میں اسی سنی ہوئی مخصوص مسلک فکر کو ہی اسلام قرار دیتے ہیں اور دوسرے موضوع اور انداز فکر پر تقریر کرنے والے علماء کرام کی بیان کردہ صریح نصوص قرآنی اور احادیث

نبوی کو حقارت آمیز لہجے میں ٹھکراتے ہیں جس کے نتیجے میں آج دین اور مذہب کی خدمت کرنے والی جماعتوں کے پیروکاروں میں سرد جنگ کی سی کیفیت اور تناؤ ہے جو کہ کسی وقت بھی دھماکہ خیز ثابت ہو سکتی ہے حالانکہ علماء کرام کے مسائل پر مختلف زاویہ نگاہ اور موقع محل کے لحاظ سے نہ صرف وہ سب کچھ حق بجانب ہے بلکہ ضروری ہے تاکہ امت مسلمہ ہر پہلو میں خود کفیل ہو اور تنگ نظری اور افراط و تفریط سے محفوظ رہے۔

اس بنیادی کسوٹی کے ہاتھ آنے کے بعد جہاں زمینداری کی حوصلہ شکنی کی مذکورہ روایات ہیں وہ اپنے عموم کے اعتبار سے نہیں ہیں بلکہ مخصوص حالات یعنی جہاد اور تحفظ سرحدات، اعلاء کلمۃ اللہ کے فرائض کی ادائیگی سے منہ موڑ کر مادہ پرستی پر ٹوٹ پڑنے کے انجام پر مبنی ہوں گے کیونکہ کفار مسلمانوں کے مال کو لقمہ تر سمجھ کر ہڑپ کرنے کیلئے آگے بڑھیں گے اور مسلمان محکوم اور مغلوب قوم کی حیثیت سے ذلت کی زندگی گزاریں گے۔

”زارعون“ اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

افرائیتم ما تحرثون ء انتم تزرعونہ ام نحن الزارعون .
 ” بھلا دیکھو جو تم بوتے ہو، کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم ہیں

اگانے والے۔“

(پارہ ۲۷، الواقعہ، آیت ۶۳)

کسان اور زمین دار کا کام تو زراعت کے اسباب مہیا کرنا ہے۔ اس کا اگانا، لہلہاتی کھیتی، فصل اور باغ بنانا، اسے زمین میں جماؤ دینا، بار آور کرنا، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کرتا ہے، اس عمل کو زراعت کہا جاتا ہے، اور ایسا کرنے والے کو ”زارع“ یا ”مزارع“ کہا جاتا ہے۔ حقیقتاً یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، کسان یا زمیندار کو مجازاً مزارع کہا جاتا ہے، جب زراعت اللہ کی صفت ہوئی تو زراعت کرنے والے انسان کی یہ خوش نصیبی کیا کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی صفت سے موصوف کیا ہے

دنیا کمانے کی نیت سے بھی زمین آباد کرنا عبادت اور

ثواب ہے

کوئی شخص کسب حلال کے طور پر دنیا کمانے کی نیت سے زمین کے اندر باغات زراعت، سرائے اور بازار، مسافر خانے بناتا ہے، مل، کارخانے اور صنعتیں قائم کرتا ہے، نہریں، کنویں اور ٹیوب ویل بناتا ہے یا سڑکیں، پل اور شاہراہیں بناتا ہے غرض جو کچھ بھی زمین کی آبادی اور تعمیر کے زمرے میں آتا ہے وہ سب عبادت اور باعث ثواب ہے،

بشرطیکہ فخر اور مباہات کے لئے نہ ہو یعنی کوئی ایسی تعمیر اور آبادی نہ ہو جس سے نہ خود فائدہ حاصل کرتا ہو نہ کسی اور مخلوق کو فائدہ حاصل کرنے دیتا ہو، بلکہ محض نام و ناموس بلند کرنے کیلئے تعمیر کرتا ہے، نیز ایسی آبادی اور تعمیر نہ ہو جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اور رسول خدا کی نافرمانی لازم آتی ہو۔

ایسی جملہ تعمیرات درحقیقت، حکمت تخلیق انسان کے اہم شعبے کی تکمیل اور قرآن کریم کے حکم کی بجا آوری ہی ہوگی۔ ”واستعمرکم فیہا“ اللہ تعالیٰ تم سے زمین کی تعمیر اور آبادی چاہتا ہے مشہور صوفی بزرگ حضرت شیخ ابوالمکارم علاؤالدولہ سمنانیؒ جو تصوف اور حقائق کے ایک خاص مکتب خیال کا امام اور صوفیائے کرام میں ستون کا درجہ رکھتا ہے۔ فرماتے ہیں (اصل عبارت فارسی ہے)

”حق تعالیٰ این زمین و مزارع را بحکمت آفرید و میخواید کہ معمور باشدد فائدہ بخلق رسد، و اگر خلق بدانند کہ از عمارت دنیا کہ برائے فائدہ و دخل کنند نہ بوجہ اسراف، چہ ثواب است، ہرگز ترک عمارت نہ کنند۔“

(تفحات الانس علامہ جامی ص ۵۰۸ مطبوعہ کلکتہ)

”اللہ تعالیٰ نے زمین اور کھیتوں کو حکمت سے پیدا فرمایا ہے اور

خدا چاہتا ہے کہ یہ زمین اور کھیت آباد رہیں اور ان سے مخلوق کو نفع پہنچے۔ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ دنیا کی آباد کاری جس سے فائدہ اور آمدنی مقصود ہو، نہ کہ اسراف کتنا عظیم ثواب ہے تو لوگ زمین کی آباد کاری کے کام کو ہرگز نہ چھوڑیں۔“

وضاحت:

علامہ کا یہ جملہ ”برائے فائدہ و دخل“ قابل غور ہے ”دخل“ فارسی میں آمدنی اور کمائی کو کہا جاتا ہے۔ علامہ سعدی فرماتے ہیں۔

چوں دخلت نیست خرچ آہستہ تر کن
جب تیری آمدنی نہیں ہے تو خرچ کرنے میں بہت محتاط رہیے۔
پس علامہ سمنانیؒ کے قول کا مطلب یہ ہوا کہ زمین کی آبادی مثلاً زراعت، تجارت، عمارت وغیرہ اگرچہ دینی غرض، ثواب اور عبادت کی نیت سے نہ ہو بلکہ خاص مال و دولت کمانے کی نیت سے ہو تو بھی باعث ثواب عظیم ہے۔ علامہ سمنانیؒ آگے لکھتے ہیں۔

زمین کو غیر آباد چھوڑنا بہت بڑا گناہ ہے

اگر بدانند کہ از ترک عمارت و گذاشتن

زمین را معطل چہ گناہ حاصل می شود پر
گذا سباب آبادی و تعمیر زمین ضائع نمی
کردند

(حوالہ مذکور)

اور اگر لوگ یہ جانتے کہ آباد کاری کے کام کے چھوڑنے
اور زمین کو بیکار پڑے رہنے دینے میں کتنا گناہ ہے تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتے
کہ آبادی کے جو اسباب ہیں ان کو ضائع اور برباد ہونے کیلئے چھوڑ دیں،
(مثلاً مناسب خوراک اور کھاد وغیرہ نہ دینا، تالابوں، نہروں، ندیوں کی
صفائی نہ کرنا، اعلیٰ بیج، بروقت بوائی نہ کرنا، فصل وغیرہ کو بیماریوں سے تحفظ
کی تدابیر نہ کرنا، کھیت کو بے کار جڑی بوٹیوں اور گھاس سے صاف نہ کرنا
وغیرہ۔“

کم پیداوار اور آمدنی کے جرم کی صورت میں قیامت کے دن باز پرس ہوگی

علامہ سمنانیؒ مزید فرماتے ہیں:

ہر کس کہ زمینے دارد کہ ہر سال از زمین ہزار من غلہ
حاصل تو اند کرد، اگر بہ تقصیر و اہمال نہ صد من
حاصل کند و بسبب آن، صد من از حلق خلق دور افتد
بقدر آن ازوئے باز خواست خواهند کرد۔“ (حوالہ مذکور)

”جس کسی کے پاس اتنی زمین ہو کہ اس سے ہزار من غلہ سالانہ
حاصل ہو سکتا ہے اگر اس کی کوتاہی اور سستی و غفلت سے (بجائے ہزار
من کے) نو سو من غلہ اس زمین سے حاصل ہوا اور اس طرح مخلوق خدا
کے منہ تک سو من غلہ نہ پہنچ سکا تو قیامت کے دن اس سے اس سو من غلہ
ضائع کرنے کی باز پرس ہوگی۔“

علامہ سمنانیؒ جیسے عارف باللہ اور صوفیائے عظام کے سرخیل کا یہ
جملہ ” بقدر آن ازوے باز خواست خواهند کرد“ انتہائی معنی خیز
ہے، جس کا واضح مطلب یہی ہے کہ کسان اور مالک زمین کی بے پرواہی
اور کوتاہی سے سالانہ آمدنی میں کمی کے نتیجے میں اس دنیا میں اس شخص کے

ذاتی خسارے کے ساتھ امت مسلمہ اور خلق خدا کو جس بربادی سے دوچار کیا گیا اس کی سزا کے طور پر قیامت کے دن اس کی سالانہ کے حساب سے پورا کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا اور ظاہر بات ہے کہ اس وقت وہ کہیں سے پورا نہیں کر سکے گا؟

زمین کی پیداوار میں یورپ خود کفیل اور مسلمان گداگر کیوں؟

آج مشاہدہ سے ثابت ہے کہ یورپی کسان زمین کے جتنے رقبے سے مثلاً سومن غلہ حاصل کر لیتا ہے، اسی مقدار کے رقبے سے مسلمان کسان اوسطاً دس من غلہ بمشکل حاصل کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آج مسلمان زمین کی پیداواری اشیاء مثلاً کھانے پینے کی روزمرہ ضروریات میں بھی گداگری اور قرض کی بھیک مانگنے کا چکول لے کر کافروں کی دہلیز پر خوار و ذلیل کھڑا ہے۔

عقل مندوں کی کہاوت ہے کہ ”عورت کا خاوند مرد ہوتا ہے اور مرد کا خاوند قرض دینے والا ہوتا ہے“، یعنی مقروض قرض خواہ کے سامنے بیوی کی حیثیت رکھتا ہے۔“

یہ فرق اس لئے کہ یورپ کے سائنسدان اور زراعت کے

ماہرین کسان اور زمیندار کی فصلوں اور زمین کی زرخیزی اور اس میں کمی بیشی آنے پر گہری نظر رکھتے ہوئے کسان کی رہنمائی کرتے رہتے ہیں۔ انہیں جدید آلات زراعت، ترقی یافتہ بیج اور مختلف فصلوں کے لحاظ سے کھاد کی مختلف اقسام، ان کے استعمال کے طور طریقے اور فصلوں کی بیماریوں کی شناخت اور ان کا صحیح علاج بارانی، نہری اور زیر زمین آبی خزانوں کو استعمال میں لانے کے وسائل مہیا کرنے کیلئے سرگرم عمل رہتے ہیں اور دوسری طرف یورپ کے کسان اور باغبان ریڈیو، ٹی وی اور رسائل میں زراعتی پروگرام لازمی طور پر بلاناغہ سنتے اور پڑھتے رہتے ہیں اور ان ہدایات کے مطابق زراعت کے بارے میں جدید طور طریقے اپناتے رہتے ہیں۔

دوسری طرف مسلمان کسان کی حالت یہ ہے کہ نہ تو ان کی پشت پر زراعت اور طبقات الارض کے ماہر سائنسدانوں کا کوئی غم خوار طبقہ ہے اور نہ ہی ان کیلئے جدید ترین آلات و اسباب زراعت کے حصول تک رسائی آسان ہے، اگر کچھ تھوڑا بہت ہے تو کسان طبقے کی جہالت اور بے علمی کے نتیجے میں وہ بھی رایگاں جاتا ہے، نہ تو کسان ریڈیو وغیرہ کی وساطت سے زراعتی پروگرام سنتے ہیں اور نہ ہی اپنے باپ دادا سے

ورثے میں ملی ہوئی زراعت اور باغبانی میں جدت اور تہد ملی کیلئے آمادہ ہیں۔

دور جانے کی ضرورت نہیں ڈیرہ اسماعیل خان، بنوں اور تھل کی وسیع و عریض زمینوں پر ایک نظر ڈالیں، جن محدود ٹکڑوں کو عام طور پر آباد سمجھا جاتا ہے، وہ بھی درحقیقت غیر آباد اور بخر ہیں۔ سال بھر میں کسی زمین سے گندم یا چنے کی صرف ایک آدھ بیمار اور کمزور فصل حاصل کرنا یا کسی قطعہ زمین پر قدیم اونچے خود رو کھجور کے درخت کے بے ترتیب جھنڈ یا بنوں کی سرزمین پر قدیم بد شکل اور بے ذائقہ کیلوں کے باغات اور گٹھلیوں سے بھرائے ہوئے چھلکے یعنی آلو کاٹ کے باغات کو موجودہ ترقی یافتہ دور کے لحاظ سے کوئی دشمن عقل آباد زمین کہے گا؟

زمین اور باغات ایک سال بار آور اور ایک سال بے بر
کیوں؟

مسلمان کسانوں اور خاص کر قبائلی باغبانوں میں یہ بات نہ صرف مشہور ہے بلکہ مسلم ہے کہ زمین اور باغات ایک سال بھر پور فصل اور میوہ دیتے ہیں جبکہ دوسرے سال وہی فصل اور میوہ دیتے ہیں مگر برائے نام، البتہ اگر زمین پر متبادل فصل کاشت کی جائے تو زمین بار آور

ہوتی ہے۔

جہاں تک اس بات کی سچائی کا تعلق ہے تو تجربہ اور مشاہدہ اس پر گواہ ہیں مگر اس کا سبب کیا ہے؟ اور اس عظیم نقصان کی تلافی ممکن بھی ہے؟ اس سوالات کے جوابات کے بارے میں وہ لوگ جو زراعت، پھل اور فروٹ کے متعلق جدید سائنسی علوم سے بے خبر ہیں، انتہائی غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور یہی بد قسمت قوم موجودہ دور میں مسلمان اور بالخصوص قبائلی لوگ ہیں۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ زمین اور باغات کی یہی فطرت ہے کہ ایک سال خوب بار آور ہوں گے اور ایک سال بے بار اور بانجھ ہوں گے، لہذا وہ ایک سال لاکھوں اور کروڑوں روپے کے نقصان کو خوشی سے قبول کئے ہوئے ہیں اور اس عظیم نقصان کا انہیں احساس تک بھی نہیں، حالانکہ ایسا ہر گز نہیں۔ کم از کم اتنی بات تو ہر ایک انسان جانتا ہے کہ ایک ہے زمین اور ایک ہے زمین کی زرخیزی، یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں، زمین ہوگی پانی کی کمی نہیں ہوگی مگر وہ زمین فصل تو کیا سبزہ گیاہ تک نہیں اگائے گی اس لئے کہ اس میں زرخیزی نہیں ہوگی۔

سائنسدانوں نے لیبارٹریوں میں دونوں قسم کی زمین کی مٹی کا تجربہ اور مشاہدہ کیا ہے۔ انہوں نے زرخیز زمین کی مٹی میں تقریباً ۱۴

عناصر ایسے دریافت کئے کہ جس زمین کے اندر یہ عناصر بھر پور موجود ہوں اس زمین کی فصل، باغات، میوے اور سبزیاں مثالی ہوتی ہیں اور جس زمین میں یہ عناصر جس قدر کم ہوں گے اسی مقدار میں اسی زمین اور باغ کی محاصلات میں کمی ہوگی۔

نیز انہوں نے یہ تجربہ بھی کیا کہ مختلف فصلیں، اناج اور میوے زمین کے زرخیز مواد اور عناصر کے کھانے اور خوراک کے لحاظ سے ایک جیسے نہیں ہیں مثلاً گندم کی خوراک میں ایک عنصر زیادہ شامل ہوتا ہے اور چنے کی خوراک میں دوسرا، سیب کی خوراک میں ایک عنصر زیادہ خرچ ہوتا ہے اور انار کی خوراک میں دوسرا۔

سائنسدانوں نے یہ تجربات بھی کئے ہیں کہ زمین میں مثلاً (نائٹروجن، پوٹاشیم، فاسفورس، لائم) وغیرہ عناصر کافی مقدار میں موجود ہیں، مگر کسی معمولی فصل کاشت کرنے کے نتیجے میں فصل کاٹنے کے بعد جب اسی زمین کا دوبارہ تجزیہ کیا تو فی ایکڑ یعنی آٹھ کنال رقبہ میں تقریباً بیس پونڈ نائٹروجن کم ہو چکا تھا اسی پر وہ دوسرے عناصر پوٹاشیم، فاسفورس وغیرہ قیاس کرو جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر دوسرے سال کسان اسی زمین پر وہی سابقہ فصل کاشت کرنا چاہے تو اس کو لازمی طور پر مذکور

خرچ شدہ نائٹروجن وغیرہ عناصر کی کمی کو کیمیاوی مصنوعی کھادوں سے پورا کرنا ہوگی ورنہ وہ زمین اس سال وہی فصل برائے نام دے گی۔ البتہ اگلے سال قدرت کی طرف سے بارش، رعد و برق، گرد و غبار وغیرہ سے مذکورہ کمی پوری ہو جائے گی اور ایک سال کے وقفے کے بعد وہی فصل بھر پور انداز میں دے گی، بالکل یہی اصول باغات وغیرہ کا ہے۔

اگر کوئی سمجھدار باغبان مثلاً سیب کے باغ سے میوہ کاٹتے ہی باغ کو جملہ خود روگھاس وغیرہ سے صاف کر لے اور اس میں سے خرچ شدہ زرخیزی کو کیمیاوی کھادوں سے پورا کر دے اور ان کے تنوں اور شاخوں پر زراعت کی تعلیمات کی روشنی میں مقررہ اوقات پر کیڑے مار ادویات کا سپرے کرے اور مقررہ اوقات پر اسے پانی دیا کرے تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ باغ دوسرے سال بھی بھر پور میوہ نہ دے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ یہ سب کچھ زراعت کے ماہرین کی ہدایات کے مطابق کرے۔ اس طرح اگر چہ باغبان کی جیب سے دس ہزار روپے خرچ ہوئے تو یقیناً وہ آنے والی فصل میں اس سے تین گنا روپے جیب میں ڈالے گا۔ انشاء اللہ

کسان اور باغبان کی حقیقی کامیابی کا ایک اہم اصول

کھیتی باڑی وغیرہ کے متعلق گذشتہ ذکر شدہ تفصیلات سب کچھ ظاہری اسباب ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے دینے کیلئے وسائل بنا دیئے ہیں، ان سب کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت کا ہاتھ ہے، ان کوششوں کے ایسے نتائج جن سے کسی مسلمان کی دنیا اور آخرت خوشحال اور کامیاب ہو یہ محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی پر موقوف ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کی اصل اور بنیاد تقویٰ ہے۔

ولو ان اهل القرى امنوا و اتقوا لفتحنا عليهم
بركات من السماء والارض .

(پارہ ۹، اعراف، آیت ۹۶)

”اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے نعمتوں کے دروازے کھول دیتے۔“

و من ینق اللہ ینجعل له مخرجاً و یرزقه من حیث لا

یحتسب . (پارہ ۲۸، الطلاق، آیت ۶)

”اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچے گا، اللہ اس کیلئے مشکلات اور مصیبتوں سے راہ نجات بنائے گا اور ایسی جگہ سے اس کو روزی دے گا جہاں سے اس کو وہم و گمان نہ ہو۔“

الذین امنوا و كانوا یقتنون لهم البشرى فی الحیوة
الدنیا و فی الآخرة لا تبدیل لکلمات اللہ ذالک هو الفوز
العظیم. (پارہ ۱۱، یونس، آیت ۲۳)

”وہ لوگ جو ایمان لائے اور نافرمانی سے بچتے رہے ان کیلئے
دنیا کی زندگی میں بھی خوشخبری اور آخرت کی زندگی میں بھی، یہی بڑی
کامیابی ہے۔“

تقویٰ کی حقیقت

تقویٰ کی حقیقت تو یہی ہے کہ ایمان کے ساتھ اطاعت بھی ہو
یعنی اعمال صالحہ کرنا اور نافرمانیوں سے بچنا، جس کسان، کاشتکار اور
زمیندار نے اپنی زمین کو آباد کرنے اور اسے بھرپور کمائی حاصل کرنے
کیلئے شب و روز محنت کی اس نے اگر چہ زمین کی آباد کاری کے بارے
میں اللہ تعالیٰ اور پیغمبر خدا کی اطاعت اور فرمانبرداری اور عبادت و عمل
صالح کا ایسا عظیم کارنامہ سرانجام دیا جس کا درجہ جہاد اور راہ خدا میں نکلنے
سے بڑھ کر ہے۔ جس کیلئے ایک فرض نماز (تہجد) کی فرضیت منسوخ کی جا
چکی ہے

و آخرون یضربون فی الارض یتغون من فضل اللہ

(پارہ ۲۹، مزمل، آیت ۲۰)

”اور بعض لوگ زرق حلال کی تلاش میں روئے زمین پر گھوم پھر کر تھکے ہوں گے۔ (یعنی نماز تہجد کی فرضیت منسوخ کرنے کی وجوہات میں سے ایک وجہ معاشی ضروریات کی تکمیل بتائی گئی ہے۔)

نیز کسان اور باغبان نے زمین کی آمدنی ضائع کرنے اور زمین کو بے کار اور مہمل چھوڑ دینے کی عظیم نافرمانی سے بچ کر تقویٰ کا ایک اہم مقام حاصل کر چکا ہے۔ لیکن باغات دنیا کو باغات بہشت بنانے اور ترقی و خوشحالی دنیا کو باعث فلاح و کامیابی آخرت بنانے کیلئے تقویٰ اور عمل صالح کی ایک شعبہ تازہ نوز باقی ہے۔ جس کا تعلق زمین سے حاصل کردہ آمدنی کے خرچ کرنے کے ساتھ ہے۔

زمین کی حاصلات میں حق اللہ یعنی حصہ خدا

پوری انسانیت اس پر متفق ہے کہ زمین کی پیداوار میں مالک زمین کے ساتھ جس کسی نے محنت و مشقت اور مسلسل معاونت کی وہ اس پیداوار میں تقریباً مساوی حصہ لینے کا حق دار ہے خواہ زمین کے رقبے میں ملکیت میں وہ حق دار نہ بھی ہو اور ہر جاننے والا جانتا ہے کہ زمین سے حاصل شدہ پیداوار حاصل کرنے کیلئے جتنے وسائل اور عوامل ہیں، ان

کانیادی میٹرل اور مواد کا وجود میں لانا کسی بھی انسان کے بس کی بات نہیں ہے مثلاً زمین اور اس میں نباتات کی خوراک کے عناصر، ہوا اور اس میں ۷۰ فیصد نائٹروجن گیس، پانی، سورج کی کرنیں، آسمان کے چاند تاروں کی روشنی، بادل کے آنسوؤں، شبنم کی نمناکی، انسان کی دماغی صلاحیتیں اور کسب و عمل بھی لمحہ بھر کے لئے انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں لہذا اس میں اللہ تعالیٰ کا ایک معین حصہ کیونکر نہ ہوگا؟

يا ايها الذين امنوا انفقوا من طيبت ما كسبتم و مما
اخر جنا لكم من الارض .

(پارہ ۳، البقرہ، آیت ۲۶۷)

”اے ایمان والو! اپنی کمائی میں سے صاف ستھری چیزیں خرچ کرو اور اس چیز میں سے بھی جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کی ہے۔“

قوله تعالى: و اتوا حقه يوم حصاده .

(پارہ ۸، انعام، آیت ۱۴۱)

اور جس دن تم زمین کی پیداوار حاصل کر لو تو اس کا حق دیا کرو۔
زمین کی پیداواری حاصلات میں جب کہ وہ زمین خراجی نہ ہو، اللہ تعالیٰ

کے حصے کا تعین حضور علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے کہ جو فصل اور آمدنی زمینی پیداوار سے حاصل ہوتی ہے اس میں عشر دسواں حصہ یا نصف عشر بیسواں حصہ مساکین کو دینا فرض ہے۔ (تفصیل کے لئے میری کتاب ”زکوٰۃ اور عشر کے بارے میں چند معرکۃ الآراء مسائل“ ضرور پڑھیے۔)

قال عليه الصلوة والسلام ما اخرجت الارض ففیه العشر.

و اخرج البخاری عنه عليه السلام فيما سقت السماء والعيون العشر الخ

و اخرج مسلم عنه عليه الصلوة والسلام فيما سقت الانهار والغيم العشر الخ.

حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو کچھ زمین سے حاصل کیا جاتا ہے اس میں عشر ہے۔

صحیح بخاری شریف کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو زمین بارش یا چشموں سے سیراب ہوتی ہو اس کی پیداوار میں عشر ہے۔

صحیح مسلم شریف کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو زمین نہروں اور وادیوں سے یا بارش سے سیراب ہوتی ہو اس میں عشر ہے۔

عشر اور زکوٰۃ خرچ کرنے کا مسنون اور افضل طریقہ

اسلام کے بنیادی ارکان میں نماز اور زکوٰۃ کا حکم قرآن و حدیث میں بیسیوں جگہ ایک ساتھ آیا ہے کہ ”نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو“۔ دین اسلام میں بدنی عبادات میں اہم ترین عبادت نماز ہے اور مالی عبادات میں اہم ترین عبادت عشر اور زکوٰۃ ہیں۔

دین اسلام میں فرضی عبادات کی ادائیگی میں پیغمبر کا طریقہ اور افضل ترین طریقہ وہی ہے جس میں اجتماعی صورت جتنی زیادہ ہو۔ اگرچہ نفس فرض انفرادی صورت میں ادا ہو جاتا ہے لیکن نماز باجماعت میں جتنے متفرق نمازی یکجا ہوتے جائیں گے، اتنا ہی ہر نمازی کا ثواب بڑھتا جائے گا۔

نیز ہر ایک نمازی اس عظیم فریضہ کی بہتر ادائیگی کیلئے اپنی سوجھ بوجھ اور عقل و دانش چھوڑ کر کسی ماہر اور متقی عالم دین کے قول و عمل کی

پیروی کرتا ہے، اس لئے کہ یہ میرا اہم فریضہ ہے سو فیصد شریعت کے مطابق ادا ہو جائے، اگرچہ انفرادی طور پر اکیلا نماز پڑھنے سے فرض ادا ہو جائے گا مگر بلا عذر شرعی ایسی نماز پر ثواب ملنے کی امید بھولا پن ہوگا بلکہ ایسا کرنے پر سخت وعید آئی ہے۔

عشر اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں بھی مسنون طریقہ یہی ہے کہ ہر علاقے کا عشر و زکوٰۃ وہاں کے مستحق مصرفوں میں اجتماعی شکلوں میں صرف کیا جائے، حضور علیہ السلام اور شیخین (ابوبکر، عمر رضی اللہ عنہما) کے زمانے میں جملہ مسلمان عشر و زکوٰۃ ان حضرات کے پاس لاتے تاکہ ان کی صوابدید پر ضروری اور مفید تر مقامات اور حقداروں پر خرچ ہو سکے۔ اسلام کے اس ابتدائی دور میں کوئی ایک مثال بھی ایسی پیش کرنا مشکل ہوگا کہ کسی مسلمان نے عشر و زکوٰۃ کسی مسکین اور محتاج کو حضور علیہ السلام کی اجازت یا شیخین کی اجازت کے بغیر اپنی پسند اور مرضی کے مطابق دیا ہو۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اگرچہ اموال باطنہ (سونے، چاندی، نقد روپے اور دکان کے اندر مال تجارت) کے حساب کرنے اور ان سے چالیسواں خود نکالنے کا اختیار لوگوں کو دیا گیا مگر وہ زکوٰۃ بھی لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لا کر جمع کرتے تھے، آپ ہی کی

صوابدید پر خرچ کرنے کو اپنی صوابدید پر مقدم رکھتے تھے۔
 (تفصیل کیلئے دیکھئے ”بدائع الصنائع“ اور دیگر معتمد فتاویٰ)
 اگرچہ انفرادی طور پر اپنی صوابدید پر ہر مسلمان کا عشر اور زکوٰۃ ادا
 تو ہو جائے گی۔ جیسے اکیلے نماز پڑھنا، بشرطیکہ ایسے لوگوں کو دیں جو
 از روئے شریعت عشر و زکوٰۃ لینے کا مصرف اور حقدار ہو، مگر کیا اس پر وہ
 ثواب ملے گا جو مسنون طریقہ پر یعنی اجتماعی طور پر سو فیصد شرعی مصرفوں پر
 صرف کرنے سے ملے گا؟

عشر و زکوٰۃ کن لوگوں پر خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے
 یہ مسئلہ اللہ تعالیٰ نے کسی عالم دین کیلئے نہیں چھوڑا، بلکہ اللہ تعالیٰ
 نے خود قرآن کریم میں واضح طور پر بیان فرما دیا ہے۔

للفقراء الذين احصروا في سبيل الله لا يستطيعون
 ضرباً في الارض يحسبهم الجاهل اغنياء من التعفف.
 (پارہ ۳، البقرہ، آیت ۲۷۲)

(اللہ کیلئے خرچ کرنے کے اولین حقدار) وہ فقراء ہیں جو راہ خدا
 میں رکے ہوئے ہیں (کمانے کیلئے) زمین میں چل پھر نہیں سکتے ہیں،
 جاہل لوگ انہیں مالدار سمجھتے ہیں، اس لئے کہ وہ لوگوں سے بھیک نہیں

ماکتے ہیں۔

حجۃ الاسلام علامہ شیخ الہند اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔
 ”یعنی ایسے لوگوں کو دینا بڑا ثواب ہے جو اللہ کی راہ اور اس کے
 دین کے کام میں مقید ہو کر چلنے پھرنے، کھانے کمانے سے رک رہے ہیں
 اور کسی پر اپنی حاجت ظاہر نہیں کرتے جیسے حضرت کے اصحاب، اہل صفہ
 نے گھر بار چھوڑ کر حضرت کی صحبت اختیار کی تھی۔ علم دین سیکھنے کو اور
 مفسدین، فتنہ پروازوں پر جہاد کرنے کو، اسی طرح جب بھی جو کوئی قرآن
 کو حفظ کرے یا علم دین میں مشغول ہو تو لوگوں پر لازم ہے کہ ان کی مدد
 کریں۔“

(ترجمہ شیخ الہند، ۵)

علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں

لا يستطيعون ضرباً فی الارض ای مشياً فیہا و
 ذہاباً للتکسب والتجارة و ہم اهل الصفة رضی اللہ تعالیٰ
 عنہم، قالہ ابن عباس و محمد بن کعب القرظی و كانوا
 نحواً من ثلاثمائة و یزیدون و ینقصون من فقراء
 المهاجرین یسکنون سقیفة المسجد یتغرقون اوقاتہم

بالتعلم والجهاد الخ.

(روح المعانی ج ۲، جزء ۳، ص ۴۶)

صاحب روح المعانی (لا يستطيعون ضرباً فنى الارض) کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ وہ فقراء زمین میں کسب و تجارت کیلئے آنے جانے سے بے بس تھے اور وہ اصحاب صفہ تھے (یعنی حضور علیہ السلام کے مدرسہ کے طلباء) یہی تفسیر ابن عباس اور محمد بن کعب القرظی نے کی ہے۔ ان کی تعداد تین سو تھی اور کبھی اس سے زیادہ، کبھی کم ہوتے تھے، یہ فقراء مہاجرین تھے جو مسجد نبوی کے ایک چبوترے میں سکونت پذیر تھے جنہوں نے جملہ اوقات تعلیم دین اور جہاد کیلئے وقف کر دی تھیں۔

پس قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیات سے ثابت ہوا کہ صدقات اور عشر و زکوٰۃ خرچ کرنے کا افضل ترین مصرف اور مقام اسلامی مدارس میں پڑھنے والے طلباء ہی ہیں۔

موجودہ دور میں عشر و زکوٰۃ کس طرح خرچ کیا جائے؟

موجودہ دور میں جب کہ نہ تو صحیح اسلامی حکومت ہے اور نہ ہی شرعی بیت المال اور اگر کہیں برائے نام اسلامی حکومت ہے تو بھی عشر و زکوٰۃ کے لینے اور خرچ کرنے میں قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی

شرائط اور ہدایات کے بارے میں قطعی طور پر بے پرواہی کا مظاہرہ کرتی ہے، ان حالات کے ہوتے ہوئے مسنون طریقہ پر اجتماعی طور پر عشر و زکوٰۃ کی ادائیگی کیونکر ممکن ہے؟ اور کس طرح ادا کرنا افضل ہوگا؟

جواب: دیکھئے نماز باجماعت ادا کرنے کا مسنون طریقہ یہی ہے کہ خلیفہ (صدر، وزیر اعظم) سے لے کر ادنیٰ افسر تک ہر جگہ نماز جمعہ، نماز عیدین، پنجگانہ نمازوں میں یہی منصب داران اور امراء خود نماز پڑھائیں گے، یا ان کے نامزد کردہ نمائندے ان کی غیر موجودگی میں امامت کے حقدار ہوں گے مگر آج جب ان حقیقی حقداروں نے امامت کی اہلیت کھودی ہے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ لوگ مسنون طریقہ اور اجتماعی صورت میں نماز کی ادائیگی سے بری الذمہ ہو کر ہر ایک انفرادی طور پر فریضہ ادا کرتا رہے، اس طرح تو نماز کی حقیقی حکمت اور افادیت ہی فوت ہو جائے گی، بلکہ ہر علاقے کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ کسی قابل اعتماد عالم دین، وارث پیغمبر پر اتفاق کر کے اسے اپنا خطیب، امام اور قاضی مقرر کریں، یہی عالم دین ان کیلئے شرعی قاضی اور امام کا حکم رکھتا ہے اور اس کی پیروی میں جب یہ لوگ نماز جیسا ہم فریضہ ادا کرتے رہیں تو ان کی یہ نماز عین سنت طریقہ کے مطابق اجتماعی نماز ہوگی اور اگر مسلمان ایسا نہیں کریں گے بلکہ انفرادی طور پر

نماز پڑھنے لگے تو سب گناہگار ہوں گے۔ عشر اور زکوٰۃ کے بارے میں چاہیے کہ ہر علاقے، قصبے اور گاؤں کے قابل اعتماد علماء دین کی رہنمائی میں وہاں کے دینی اور اجتماعی ضروریات خاص کر اسلامی مدارس کے طلباء اور اسلامی علوم کی درس و تدریس اور نشر و اشاعت پر خرچ کرتے رہیں یا مقامی علماء کرام کی راہنمائی کے مطابق دین اسلام کے مقرر کردہ اہم ترین مصروفوں اور مقامات پر خرچ کرتے رہیں جن کی افادیت اسلام اور مسلمانوں کیلئے اجتماعی، عام اور دائم ہو عشر و زکوٰۃ کی ادائیگی کا مسنون اور افضل ترین طریقہ یہی ہے۔

موجودہ دور میں جبکہ ہر ایک مالدار مسلمان خود دیکھتا ہے کہ حکومتی سطح پر قرآن و حدیث کے علوم، درس و تدریس، تعلیم و تربیت اور نشر و اشاعت کیلئے نہ تو بجٹ میں کوئی رقم مختص کی جاتی ہے اور نہ ہی ان علوم کے طلباء، اساتذہ اور اسلامی مدارس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور نہ ہی ان کیلئے کوئی مراعات ہیں اور نہ ان علوم کے سند یافتہ ماہرین کے لئے کسی باعزت پوسٹ اور منصب پر ملازمت کرنے کے مواقع فراہم کئے جاتے ہیں بلکہ ان علوم اور ان کے ماہرین اور اسلامی مدارس کو ختم کرنے کیلئے مسلمانوں کے اندران کا وقار کم کرنے کیلئے منظم طور پر

مختلف ہتھکنڈے اور پروپیگنڈے زور و شور سے شروع ہیں۔ انہیں بنیاد پرستی، فرقہ واریت جیسے القاب سے نوازا جاتا ہے حالانکہ کالجوں، یونیورسٹیوں اور کلبوں وغیرہ میں یہی روشن فکر حضرات انگریز کی نقل اتارنے میں جس بنیاد پرستی کا مظاہرہ کر رہے ہیں اس کی وہ اپنی مثال آپ ہیں مثلاً فرسٹ ایئر میں انگریز قوم نے عقل و شرافت سے بیگانہ ہو کر ’’فوننگ‘‘، یعنی حماقت اور بد اخلاقی کا مظاہرہ کیا ہے تو آج بھی مسلمان بچوں کو اسی روش پر مجبور کیا جاتا ہے، اگر کسی تاریخ کو انگریز نے جھوٹ بولا ہے تو آج بھی ان روشن فکر مسلمانوں کے چھوٹے بڑے انگریز کی اس سنت کو زندہ رکھنے پر سختی سے مصر ہیں وغیرہ وغیرہ۔

۔ تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

جبکہ کوئی مسلمان اگر قرآن و حدیث کے کسی حکم کو زندہ رکھنے پر قائم ہو تو اسے بنیاد پرستی کے طعنے دیئے جاتے ہیں۔

فرقہ واریت ہے سیاست میں مگر بدنام علماء ہیں

دین جمہوریت کے پیروکاروں کے نزدیک حزب اقتدار اور حزب اختلاف کا وجود اور ہر بات پر ان کی جنگ و جدل، غل غپاڑہ، دست و گریبان ہونا جزو ایمان ہے۔ اسمبلیوں، بازاروں، گلی کوچوں،

اخبارات، ریڈیو، ٹی وی میں ہاتھ پائی توڑ پھوڑ، ایک دوسرے پر کرسی دے مارنا، پتھراؤ، لائھی چارج، آنسو گیس کے گولے برسانا، گھیراؤ، جلاؤ، گولی چلانا، دھماکے کرنا روزانہ کا معمول بن چکا ہے جن سے ایوان اقتدار محفوظ ہے نہ تعلیمی ادارے اور عبادت گاہیں، یہاں تک کہ اقتدار کی خاطر باپ بیٹا، ماں، بیٹی، بہن بھائی ایک دوسرے کے کپڑے نوچتے ہیں مگر پھر بھی یہ سب کچھ نہ صرف جائز ہے بلکہ قابل ستائش ہے۔ سالانہ کتنی معصوم جانیں، لوگوں کی جائیدادیں اور مال و آبرو دین جمہوریت کی بھینٹ چڑھتے ہیں۔ پاکستان جیسے عظیم ملک، حزب اقتدار اور حزب اختلاف کی فرقہ واریت کے نتیجے میں دو ٹکڑے ہوا، مگر ان سب کچھ پر شکر و ثنا ادا کرنی چاہیے اس لئے کہ اس سے یورپ کا ایجاد کردہ دین جمہوریت پروان چڑھتا ہے اگر مذمت اور قابل تمسخر کوئی چیز ہے تو وہ مذہبی لوگوں کا اختلاف رائے ہے اور یہی فرقہ واریت نا قابل برداشت ہے۔

عقل انگشت بدنداں کہ اسے کیا کہیے؟

ان حالات کے پیش نظر مالدار حضرات پر لازم ہے کہ قرآن و حدیث کے علوم کی نشر و اشاعت، اسلامی مدارس کے قیام اور نگہبانی کیلئے

نہ صرف عشر و زکوٰۃ بلکہ جملہ خیرات اور صدقات وقف کر دیں۔

عشر و زکوٰۃ کی ادائیگی کی صحت الگ چیز ہے اور قبولیت

الگ ہے

نماز، روزہ، زکوٰۃ اور دیگر عبادات کی صحت اور جائز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان عبادات کے جملہ ارکان، شرائط اور واجبات موجود ہوں خواہ اخلاص و للہیت، تقویٰ اور رضائے الہی مطلوب ہونے کا جذبہ کارفرما ہو یا نہ ہو، یہ عبادت از روئے فتویٰ ادا ہو گئی ہے اور صحیح بھی ہے۔

عبادات کی قبولیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ جملہ ارکان، شرائط و واجبات اور آداب کے ساتھ ساتھ خالصتاً لوجہ اللہ اور رضائے الہی کے جذبے کے تحت ادا کی جائے جس میں کسی بھی غیر اللہ کی رورعایت، نفسانی اغراض و مقاصد اقربا، پروری، نام ناموس اور فخر وغرور کی آمیزش نہ ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو عبادت اللہ تعالیٰ کے دربار میں قبول ہوگی اسی عبادت پر ثواب اور جنت ملے گی اور آخرت کے عذاب اور جہنم سے نجات ملنے کا ذریعہ ہوگا۔

مثلاً اگر کوئی نمازی سود کی آمدنی یا سور کے گوشت سے بلا ضرورت شرعی پیٹ بھر کر کھائے اور کسی غریب سے کپڑے چھین کر پہن

لے، کسی غریب سے زمین غصب کی ہے اور اس پر کسی سے جبراً چھینا ہوا مصلیٰ بچھا کر نماز پڑھے، تو دنیاوی احکام کے تحت اس کی نماز تو صحیح ہے اور فرض ادا ہو گیا مگر عند اللہ یقیناً ایسی نماز کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی۔

حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن عالم دین، مجاہد اور سخی کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کے دوران کہا جائے گا کہ تم نے علم اس لئے حاصل کیا تھا کہ دنیا میں تیرے علم کے چرچے ہوں، مجاہد سے کہا جائے گا کہ تم نے بہادری کی داد پانے کیلئے جان دی تھی، سخی کو بتایا جائے گا کہ تو نے نام و ناموس کی خاطر دولت خرچ کی تھی اور جو کچھ تم دنیا میں چاہتے وہ میں نے دنیا میں دے دیا اب یہاں مجھ سے کیا چاہتے ہو، اس طرح تینوں کو جہنم میں اوندھے منہ پھینک دیا جائے گا۔

مزارع اور مزدور کو زکوٰۃ دینے کی رسم

بعض زمیندار اپنے مزارع یا مزدور کو کاشت کاری کے علاوہ عشر اور زکوٰۃ کا ایک معین حصہ بھی دیتا ہے حالانکہ اس کے پڑوس میں اس سے کہیں زیادہ مستحقین، غریب اور بے کس لوگ پڑے رہتے ہیں مگر اپنے مزارع کو عشر و زکوٰۃ دینے میں واضح جذبہ یہی کارفرما ہوتا ہے کہ یہ مزارع مزارعت چھوڑ کر کہیں اور نہ چلا جائے اور مزدوری زیادہ کرے۔ ایک

شخص مجھ سے کہنے لگا کہ میرا ایک شخص پر اسی ہزار روپے قرض ہے، قرض کی وصولی کی کوئی صورت نہیں، اگر میں مقروض کے ہاتھ میں زکوٰۃ کی نیت سے اسی ہزار روپے رکھ دوں اور پھر فوراً اس سے اپنے قرض کے عوض وہ اسی ہزار ان سے لے لوں تو کیا میری زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

ایک دوسرے نے مجھ سے پوچھا کہ میری ایک شخص پر پچاس ہزار روپے قرضہ تھا، وہ دینے میں ٹال مٹول کرتا رہا، آخر کار دو ٹالٹوں نے فیصلہ کیا کہ مبلغ بیس ہزار روپے زکوٰۃ میں واپس کر دو اور تیس ہزار روپے لے لو، چنانچہ اس فیصلہ کے مطابق میں نے اس کو بیس ہزار روپے زکوٰۃ کی نیت سے واپس کر دینے، کیا میری زکوٰۃ ہوگی؟

بعض لوگ اپنے مخصوص رشتہ داروں کو عشر و زکوٰۃ اس لئے دیتے ہیں کہ وہ اس کے معاوضے میں سال بھر اس دینے والے کے ساتھ حفاظتی گارڈ اور حاضر باشی وغیرہ کی مختلف خدمات سرانجام دیتے رہیں۔

میں نے ان پر واضح کیا کہ جہاں تک زکوٰۃ کی صحت کی بات ہے دنیاوی احکام کے لحاظ سے تو زکوٰۃ شاید ادا ہو جائے لیکن جہاں تک ایسی زکوٰۃ کے ثواب کا معاملہ ہے تو آپ خود جانتے ہیں کہ اس سے آپ گم شدہ قرض وصول کرنا چاہتے تھے یا مزارع اور رشتہ دار کو اپنے مفادات کے

حصول پر آمادہ کرنا چاہتے تھے وہ بدلہ تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں دے دیا، آپ کا قرض وصول ہوا، مزارع تیری مزارعت کیلئے رہن ہوا، رشتہ دار تیری آقائی کا طوق غلامی لئے پھرتا ہے چونکہ تیرا ضمیر گواہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی مذکورہ صورتوں میں خالصتاً رضائے الہی اور احکام خداوندی کی بجا آوری کا جذبہ کارفرمانہ تھا، تو عین ممکن ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دربار سے وہی جواب سننے میں آئے جو مذکورہ سخی کو ملا ہے کہ جس مقصد کیلئے تو نے دنیا میں مال و دولت خرچ کیا تھا وہ مقصد تو میں نے تجھے دنیا میں دے دیا ہے میری رضا کیلئے تو تم نے کچھ نہیں کیا لہذا اب مجھ سے مزید کیا مانگتے ہو؟

قصہ کوتاہ: چاہیے کہ عشر روز کو قرآن وحدیث کے علوم کی تعلیم وتعلم کیلئے مختص کر کے جملہ شکوک وشبہات سے پاک و صاف رکھا جائے۔

کیا اسلامی مدارس پر زکوٰۃ وعشر کی رقم خرچ کرنا جائز ہے؟
عام طور پر سننے میں آتا ہے کہ اسلامی مدارس کی تعمیر، طلباء کی خوراک، درسی کتابوں کی خرید اور اساتذہ کی تنخواہوں پر بغیر حیلہ تملیک عشر روز کوٰۃ اور نذر خرچ کرنا جائز نہیں ہے، یہاں تک کہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے امداد الفتاویٰ اور مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے امداد المفتین، احسن

الفتاویٰ وغیرہ اردو کے فتاویٰ میں بھی کچھ تحریر ہے۔

جواب: اسلامی مدارس کے مہتممین یا مہتمم کے مقرر کردہ افراد کے ہاتھ میں طلباء کیلئے عشر و زکوٰۃ یا نذر دینے کے ساتھ عشر اور زکوٰۃ وغیرہ بغیر حیلہ تملیک کے فوراً ادا ہو جاتی ہے، اب مہتمم اس مال زکوٰۃ سے مستحقین طلباء کی ضروریات، مدرسہ کی تعمیر، مطبخ کا انتظام، کتابوں کا خریدنا، اساتذہ کو تنخواہ دینا وغیرہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ یہی فتویٰ ہے۔ جناب ابوحنفیہ وقت علامہ رشید احمد گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اور یہی فتویٰ ہے رأس الفقہاء علامہ خلیل احمد صاحب سہارنپوری کا۔

نیز مولانا اشرف علی تھانوی صاحب اور مفتی محمد شفیع صاحب نے امداد الفتاویٰ اور امداد المفتین کے فتووں سے رجوع کیا ہے، تفصیل کیلئے دیکھئے مفتی محمد شفیع صاحب کا رسالہ ”اختیار الصواب فی مختلف الابواب“ اور بندہ کا رسالہ ”زکوٰۃ اور عشر کے بارے میں چند معرکہ الآراء مسائل“ ص ۵۸۔

اسلام مسلمانوں کو اپنی مدد آپ کی تعلیم دیتا ہے
اسلامی تعلیمات کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ وہ ”تیار خوری“ کے
رجحانات کا سختی سے قلع قمع کرتا ہے اور اپنی مدد آپ کرنے پر زور دیتا

ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام کے پاس ایک شخص آیا اور کچھ مدد کرنے کو کہا، حضور نے ان سے پوچھا کہ تمہارے پاس کوئی چیز تو ہوگی، اس نے بتایا کہ گھر میں ایک ٹاٹ ہے جس کا ایک حصہ نیچے بچھاتا ہوں اور ایک حصہ اوپر اوڑھ کر سوتا ہوں، نیز لکڑی کا ایک کاسہ (پیالہ) ہے جس میں کھانے پینے اور وضوء وغیرہ ضروریات سر انجام دیتا ہوں، حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جاؤ یہ دونوں چیزیں لاؤ چنانچہ وہ لائے، حضور علیہ السلام نے مسجد کے اندر ایک بھرے مجمع میں اعلان فرمایا۔

من يشتري هذين

”یہ دونوں چیزیں کون خریدتا ہے؟“

ایک صحابی نے کہا کہ ”انا اخذهما بدرهم“ میں دونوں کو ایک درہم پر لیتا ہوں، حضور علیہ السلام نے پھر فرمایا کہ ”من یزید علیٰ درہم“ ایک درہم سے زیادہ بولی کون کرتا ہے؟ دوسرے آدمی نے دو درہم کی بولی دی، حضور علیہ السلام نے بولی ختم کرتے ہوئے اسی کو دونوں چیزیں دیں، حضور علیہ السلام نے سوال کرنے والے کو کہا کہ جاؤ ایک درہم کی کھانے کی چیز خرید کر گھر والوں کے حوالہ کر دو اور ایک

درہم کی کلہاڑی خرید کر میرے پاس لاؤ۔

چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، حضور علیہ السلام نے اس کلہاڑی میں خود دوسرے ٹھونک کر کلہاڑی اس انصاری کے حوالہ کی اور اس کو تاکیداً حکم کیا کہ جاؤ روزانہ پہاڑی علاقے سے لکڑی کاٹ کاٹ کر پیٹھ پر لایا کرو اور بازار میں بیچ دیا کرو اور پندرہ دن تک میں تجھے ہرگز نہ دیکھوں، پندرہ دن گزرنے کے بعد جب وہی انصاری دربار نبوی میں حاضر ہوئے تو بتانے لگا کہ یا رسول اللہ ان پندرہ دنوں میں، میں نے دس درہم کمائے جن میں چند درہم کے کپڑے اور چند درہم کے کھانے کی چیزیں خریدیں حضور علیہ السلام نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

هذا خير لك من ان تجئى والمسئلة نكتة فى

وجهك يوم القيامة.

(ابو داؤد ، ترمذی)

” ایسا کرنا تمہارے لئے اس گداگری سے بہت بہتر ہے جس کے نتیجے میں قیامت کے دن تمہارے چہرے پر یہ سوال، بدنماداغ بن کر حاضر ہوتے۔“

دیکھئے حضور علیہ السلام نے نہ صرف ایک فرد کو اپنی مدد آپ

کرنے کی تعلیم دی بلکہ مسجد نبوی کے اندر بھرے مجمع میں تقریباً سب صحابہ کرام کو یہی تربیت دی کہ سائل کو حضور علیہ السلام نے نہ خود دیا اور نہ نمازیوں سے کچھ دلویا، بلکہ سائل کی جملہ جائداد اور پونجی نیلام کر کے اسے محنت پر مجبور کیا، یہاں تک کہ اسے حکم دیا کہ ”ولا اریسک خمسة عشر یوماً“ میں تجھے ہرگز نہ دیکھوں پندرہ دن تک۔

اندازہ کیجئے صحابہ کرام کو حضور علیہ السلام کے پاس آنے جانے کی کتنی بھوک تھی اور آپ کی مجلس میں علوم اور عبادات، ثواب اور فضائل و برکات کے کتنے خزانے تھے سب سے روکا کس لئے؟ کسب معاش کیلئے حضور علیہ السلام کے انکار کی وجہ یہ نہ تھی کہ حضور علیہ السلام کسی کیلئے چندہ نہیں کرتے تھے۔ متعدد موقعوں پر حضور علیہ السلام نے مجاہدین کیلئے اور دین اسلام کے احکام سیکھنے کیلئے باہر سے آنے والے طلباء کیلئے صحابہ کرام سے انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر چندے کا پرزور مطالبہ کیا ہے لیکن اس موقع پر ایک تندرست انسان کی تیار خوری کی حوصلہ شکنی کیلئے یہی کرتا ہے جو آپ نے پڑھا ہے۔

عن عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ، انه سمع

اباہ یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما یزال

الرجل يسأل الناس حتى ياتى يوم القيامة ليس فى وجهه
مزعة لحم.

(مسلم ج ۱، ص ۳۳۳)

”عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے والد سے سنا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص گداگری کا پیشہ اختیار کرتا ہے، قیامت کے دن ایسی حالت میں پیش ہوگا کہ اس کے چہرے پر گوشت و پوست کا ذرہ بھر نہ ہوگا یعنی اس کا چہرہ ہڈیوں کے ڈھانچے کا بھیا نک منظر پیش کرے گا۔ نیز حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ”جس کے گھر میں صبح اور شام کے کھانے کے لئے کچھ ہو، اس کے ہوتے ہوئے وہ سوال کرتا ہے، وہ جہنم کے انگارے جمع کر رہا ہے۔“

مسلم شریف کے حوالہ بالا کے ساتھ مذکور ہیکہ حضور علیہ السلام نے بعض صحابہ سے اس بات پر بیعت لی کہ کسی سے کچھ نہ مانگنا ان صحابہ سے اگر اونٹ پر سواری کے دوران چھڑی گرتی تو وہ اونٹ بٹھا کر خود اٹھا لیتے، مگر ساتھ والے کھڑے آدمی سے یہ نہ کہتے کہ یہ چھڑی اٹھا کر دیجئے، روایات میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے غالباً ایسی ہی بات منقول ہے۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کت ایک سبق آموز واقعہ

کون نہیں جانتا کہ راہ خدا میں جہاد کرنا ایک عظیم عبادت ہے، امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک مسافر مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر نمازیوں سے عرض کرتا ہے کہ میں جہاد کرنا چاہتا ہوں، میرے پاس وسائل نہیں ہیں اگر کوئی مسلمان اس کا خیر میں میری مدد کرے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر آگے بڑھے، سائل کا ہاتھ پکڑ کر بلند کیا اور مجمع میں اعلان فرمایا کہ ہے کوئی جسے کھیتی باڑی اور باغبانی کیلئے مزدور کی ضرورت ہو؟ ایک شخص نے عرض کیا مجھے ضرورت ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے ساتھ مزدوری طے کر کے اس کے ہاتھ میں سائل کا ہاتھ دے دیا۔ ایک مدت کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسجد کے اندر مجمع میں اس مزدور کے بارے میں پوچھا تو نوکر رکھنے والے صاحب بولے جناب وہ بڑے مزے میں ہے کافی سرمایہ جمع کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا کہ اس سرمایہ کے ساتھ اسے میرے پاس بھیج دو، چنانچہ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس شخص نے مزدور کے گلے میں مزدوری کی رقم سے بھری ہوئی تھیلی (بیگ) ڈال کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا، اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نقدی سے بھری ہوئی تھیلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اسے

لے جا، اب اگر جی چاہے تو جہاد کرو یا جی چاہے تو گھر بیٹھ۔
(کنز العمال بحوالہ اسلامی معاشیات ص مناظر احسن)

حقیقی ہمدردی

آپ نے دیکھا کہ حضور علیہ السلام جیسے رحمۃ اللعلمین، شفیق، مہربان اور سخاوت کرنے والوں کا سردار ایک ایسے سائل جس کے پاس ایک ٹاٹ کا ٹکڑا اور ایک لکڑی کا پیالہ ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں تو بھی نہ تو حضور علیہ السلام خود کچھ دیتے ہیں اور نہ لوگوں سے دلواتے ہیں، اسلئے کہ وہ شخص تندرست اور توانا تھا۔

اسرار شناس شریعت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب مسجد نبوی میں جہاد کے نام پر گداگری کرنے والے کو دیکھا تو آپ جان گئے کہ از روئے شریعت نہ تو تجھ پر جہاد فرض عین ہے اور نہ واجب اور ضروری ہے۔ پھر ایک عبادت اور ثواب حاصل کرنے یا کسی غیر لازم دینی خدمت کرنے کیلئے سوال جیسے مذموم اور عقلاً و نقلاً حرام کام کا ارتکاب کیوں کرنا چاہیے؟ اور پھر خاص کر خدا کی نافرمانی خدا کے گھر میں، رسول خدا کی مخالفت رسول کی مسجد میں حرام اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب بھرے مجمع میں جس کے نتیجے میں ممکن ہے کہ کوئی دوسرا مسلمان اس بری عادت میں مبتلا

ہو جائے اور عین ممکن ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نگاہ فراست سے بھانپ لیا کہ یہ شخص جہاد کے نام پر سامعین کو دھوکہ دے رہا ہے، ان وجوہات کی بناء پر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صرف اس سوال کرنے والے کو رزق حلال پر مجبور نہیں کیا بلکہ مسجد نبوی میں گداگری کا دروازہ ہمیشہ کیلئے بند کیا۔ اس طرح حضور علیہ السلام اور عمر فاروق ؓ نے نہ صرف مذکورہ افراد پر شفقت کر کے انہیں اپنی مدد آپ پر مجبور کیا بلکہ امت مسلمہ کیلئے قیامت تک ایک زرین اصول قائم کیا جس سے مسلمان کی دنیا اور آخرت نکھر جاتی ہے۔

ناواقفوں کی ہمدردی مسلمانوں کی بربادی

آج مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ عشر و زکوٰۃ اور صدقۃ الفطریا عید قربانی کے سیزن میں بازاروں، مسجدوں اور عید گاہوں میں بھیک مانگنے والوں کی فوج ظفر موج پھیل جاتی ہے، مختلف حیلوں، بہانوں، ہتھکنڈوں اور شعلہ بیاں تقریروں کا دور شروع ہے کوئی کہتا ہے کہ مسجد بنا رہا ہوں، کوئی کسی مدرسہ کے طلباء کی بھوک اور پیاس کا واویلا کرتا ہے، کوئی مجاہد یا مہاجر بن جاتا ہے۔ کسی کا گھر جل کر خاکستر ہوتا ہے تو کسی کے ہاں یتیم بچوں کی بھرمار ہوتی ہے، کسی کی جیب، جیب کتروں نے کاٹ کر

سفر خرچ سے محروم کیا ہے وغیرہ وغیرہ جن میں سے بھاری اکثریت پیشہ ور
گداگروں کی ہوتی ہے۔ الا ماشاء اللہ

عام مسلمانوں اور خاص کر قبائلی مسلمانوں کی بے علمی اور بے عقلی
دیکھئے کہ وہ بلا سوچ و سمجھ اور بلا تحقیق سخاوت کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ہر
ایک کو کچھ تھوڑا بہت دیتے رہتے ہیں بلکہ خالی ہاتھ واپس کرنا گناہ سمجھتے
ہیں، جس کے نتیجے میں تیار خوروں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو کر ان
کی دنیا اور آخرت کی تباہی میں معاونت کرتے ہیں اور اپنی زکوٰۃ اور
صدقات ضائع کر کے ثواب کی جگہ گناہ خریدتے ہیں۔

مذہب احناف کے سرخیل فقیہ اور محدث صاحب فتح القدر لکھتے
ہیں

ولا تحل المسئلة لمن يملك قوت يومه بعد
تستره بدنہ و عند بعضهم لا تحل لمن كان كسوباً.
(فتح القدر ج ۲، ص ۱۵)

”سوال کرنا جائز نہیں اس شخص کیلئے جس کے پاس صبح اور شام
کے کھانے کیلئے کچھ ہو اور ستر چھپانے کا کپڑا اس کے بدن پر ہو، بعض
فقہاء نے کہا ہے کہ اگر اس کے پاس صبح و شام کے کھانے کیلئے کچھ بھی نہ

ہو، مگر وہ صحت مند اور تندرست ہو تو بھی اس کیلئے سوال کرنا جائز نہیں ہے۔

علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں

القاعدة الرابعة عشر: ما حرم اخذة حرم اعطاءه .

(الاشاہ والنظار ج ۱ ص ۴۴۹)

’چودہواں قاعدہ: جس چیز کا لینا حرام ہو، اس کا دینا بھی حرام

ہے“

صاحب درمختار لکھتے ہیں۔

” (ولا يحل ان يسأل من له قوت يومه) بالفعل او

بالقوة كا لصحيح المكتسب و ياتم معطيه ان علم بحاله

لاعانتہ علی المحرم .“

(در مختار ج ۲، ص ۷۶)

” جس کسی کے پاس صبح اور شام کے کھانے کیلئے چیز ہو، اس

کیلئے لوگوں سے مانگنا جائز نہیں ہے، خواہ حقیقتاً اس کے پاس کچھ ہو یا

حقیقتاً اس کے پاس تو کچھ نہیں مگر اس میں صبح شام کھانے کیلئے کچھ کمانے

کی قوت ہے یعنی وہ صبح اور تندرست ہے محنت و مزدوری کر سکتا ہے جس

شخص کو معلوم ہو کہ سوال کرنے والے کے پاس صبح شام کے کھانے کا کچھ ہے یا وہ دیکھ رہا ہے کہ سوال کرنے والا تندرست اور توانا ہے، پھر بھی وہ سوال کرنے والے کو کچھ دیتا ہے تو دینے والا گناہ گار ہوگا۔ اسلئے کہ اس نے ایک حرام کام میں حرام خور کی مدد کی ہے۔“

” قال النووی اختلف اصحابنا فی مسئله القادر علی الکسب علی وجهین ، اصحهما انها حرام بظاهر الحدیث “.

” شارح مسلم شریف علامہ نوویؒ لکھتے ہیں کہ جو شخص محنت و مزدوری پر قادر ہے (صحیح اور تندرست ہے) اس کیلئے سوال کرنے کے بارے میں دو قول ہیں۔ جن میں سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس کیلئے سوال کرنا حرام ہے، بوجہ ظاہر حدیث شریف کے۔“
(مسلم شریف ج ۱ ص ۳۳۳)

آپ نے دیکھا کہ کتنے لوگ ہیں جنکی زکوٰۃ اور خیرات نہ صرف برباد ہوتی ہے بلکہ دینے والوں کیلئے باعث گناہ اور عذاب بنتی ہیں۔ البتہ اگر مذکورہ مساکین صراحتاً یا کنایہ کسی سے سوال نہیں کیا کرتے ہیں، بلکہ محنت مزدوری کرتے رہتے ہیں اور کوئی شخص از خود انہیں عشر و زکوٰۃ

دیتا ہے تو ایسی صورت میں انہیں لینا اور دینے والوں کیلئے دینا جائز ہے۔
 جہاں تک دینی مدارس کے طلباء یا مساجد کیلئے چندہ کرنا ہے یا کسی
 دوسری دینی خدمت یا فلاحی کام کیلئے مانگنے کا مسئلہ ہے تو اس کے جواز میں
 کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ بشرطیکہ اس میں کوئی فراڈ اور دھوکہ اور فریب نہ
 ہو، دینے والے کو حقیقت حال کی سچائی معلوم ہو تو بے شک دینے میں یا
 لینے میں گناہ نہ ہوگا، مگر اس بارے میں افضل اور بہترین روش لینے والوں
 اور دینے والوں کیلئے کیا ہوگی؟ اس میں کچھ تفصیل ہے۔

دینی خدمات کی ادائیگی میں علماء کرام تبلیغی جماعت کی نقل کرنی چاہیے

اس میں شک نہیں ہے کہ تبلیغی جماعت والے بھائی بحیثیت مجموعی
 دین اسلام اور مسلمانوں کے لئے کئی اہم قابل تقلید خدمات سرانجام دیتے
 ہیں۔ جن میں سے ایک مثالی کام یہ ہے کہ وہ ہر ایک علاقے میں بڑے
 بڑے مراکز بناتے ہیں جن پر لاکھوں بلکہ کروڑوں روپے خرچ ہوتے
 ہیں۔ یہ رقومات یقیناً عشر و زکوٰۃ اور خیرات سے پوری کی جاتی ہیں مگر کسی

نے نہیں دیکھا ہوگا کہ کوئی تبلیغی بھائی کسی مسجد یا بازار میں یا گاؤں گاؤں شہر شہر اپنے مرکز یا مسجد یا مدرسہ کیلئے چندے مانگتا پھرتا ہو بلکہ یہ حضرات اپنے ہم خیال حضرات کو جمع کر کے ان کے سامنے مسجد یا مرکز، یا مدرسہ اور دعوت و تبلیغ کی ضروریات پیش کرتے ہیں اور مقامی لوگوں کی ذہن سازی کرتے ہیں کہ یہ تمہارا ذاتی کام ہے اور تم ہی نے کرنا ہے، اب اگر مقامی لوگوں نے کہا کہ ہم یہ قربانی نہیں کر سکتے ہیں تو وہ اس کام کو چھوڑ دیتے ہیں اور یوں ہی دوسروں کی بنی ہوئی مسجدوں میں چبوتروں میں دعوت و تبلیغ کا کام کرتے رہتے ہیں۔ کسی دوسرے علاقوں میں گھوم پھر کر چندہ جمع کرنے کی مہم نہیں چلاتے ہیں اور جب کبھی مقامی لوگ، مسجد، مراکز اور مدرسہ بنانے کیلئے آمادہ ہو جائیں اور جس مقدار اور نوعیت (چھوٹی یا بڑی، کچی یا پختہ) کیلئے خود آمادہ ہو جائیں اسی کے مطابق کام شروع کر لیتے ہیں۔ دینی خدمات انجام دینے کیلئے اسلامی ہدایات یہی ہیں کہ ہر علاقے کے مالدار طبقے کی خیرات، عشر و زکوٰۃ اسی علاقے کے مستحقین اور مساکین پر خرچ کرنی چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا والی مقرر فرما کر بھیجا تو انہیں حکم دیا کہ یمن کے مال دار طبقہ سے جو صدقات عشر و زکوٰۃ وصول ہوں گی وہ سب کچھ وہاں کے مقامی لوگوں کی

ضروریات پر خرچ کیا کرو، سوچنے کی بات ہے کہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے اندر ایک چبوترے میں حضور علیہ السلام کے قائم کردہ مدرسہ میں تین سو سے لے کر چار سو تک طلباء ہر وقت مقیم تھے، مسجد نبوی میں ہر عبادت کا ثواب بھی حرم شریف کے علاوہ کرۂ ارض کے جملہ مقامات سے پچاس ہزار گنا زیادہ ہے (بجز بیت المقدس)۔ حضور علیہ السلام کی مسجد اور مدرسہ ایک چبوترہ ہے۔ بارش کا پانی نیچے ٹپکتا ہے۔ باوجود اس کے حضور علیہ السلام اپنے کسی داعی کو یہ نہیں کہتے ہیں کہ کسی دوسرے علاقے سے جمع شدہ عشر اور زکوٰۃ وغیرہ سے کچھ رقم میرے پاس بھیج دو تا کہ مدینہ منورہ کی مرکزی مسجد اور مدرسہ مثالی بنائیں اور لوگوں کیلئے پچاس ہزار گنا ثواب کے حصول کا موقع فراہم کریں۔

حضور علیہ السلام کی پوری زندگی میں شاید ایسی مثال نہ مل سکے گی کہ آپ نے اپنی مسجد اور مدرسہ کی تعمیر کیلئے باہر کے علاقوں سے عشر و زکوٰۃ اور چندہ جمع کرنے کی مہم چلائی ہو۔

ایک علاقے کا عشر و زکوٰۃ دوسرے علاقے میں نہ بھیجنے

کی حکمت

حضور علیہ السلام کا ہر ایک فرمان امت کیلئے عمومی رحمت پر مبنی ہوتا

ہے اگر ایک علاقے کی فاضل آمدنی یعنی عشر و زکوٰۃ اور خیرات اس علاقے سے باہر لے جانا شروع ہو جائے اور باہر کے فقراء مدارس اور مساجد اس پر آبا دہونا شروع ہو جائیں تو یہ درحقیقت اس علاقے کے مساکین، مدارس اور مساجد کا استحصال ہے وہاں کے مستحقین کی حق تلفی ہے، نیز اس میں قرآن و حدیث کے علوم اور اس کے حاملین اور مساجد کا، مسلمانوں کی نگاہوں میں بے حرمتی ہے اس لئے شریعت نے اس عمل کا دروازہ بند کیا ہے اور حضور علیہ السلام نے حضرت معاذ کو حکم دیا کہ ہر علاقے کے مال داروں کے صدقات اس علاقے کے حقداروں پر خرچ کرنا اس طرح حضور علیہ السلام نے گویا کہ مساجد وغیرہ کے نام پر دھوکہ دہی اور گداگری کا دروازہ ہمیشہ کیلئے بند کیا۔ وہ اس طرح کہ دھوکہ باز اور تیار خور لوگ اپنے علاقے میں مسجد بنانے، قرآن و حدیث کے طلباء اور مدرسہ کے نام پر یا مجاہد اور مہاجر کے نام پر، نیز گھر جل کر خاکستر ہونے، یا یتیموں کے بہانے کسی مسلمان کو ہرگز دھوکہ نہیں دے سکتے ہیں اسلئے کہ اپنے علاقے کے لوگ ایک دوسرے کے اہم واقعات سے آگاہ ہوتے ہیں، اس لئے گداگری اور فراڈی لوگوں کی فوج دور دراز علاقوں پر یلغار کرتے ہیں اور مساجد، مدارس اور دیگر فلاحی تنظیموں کی جعلی سندت،

رسید بک اور مہریں وغیرہ دستاویزات کی تھیلیوں سے مسلح ہو کر حملہ آور ہوتے ہیں۔

اب جبکہ مسلمانوں کو حضور علیہ السلام کے مذکور احکام اور تعلیمات معلوم ہوں اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وہ برتاؤ جو آپ نے جہاد کرنے کے نام پر ایک مسافر گداگر کے ساتھ کیا تھا یا وہ تو وہ سائل سے کہے کہ جناب جو کچھ جس دینی کام کیلئے مانگتے ہو، میرا اسلامی فریضہ ہے کہ یہی دینی خدمت اپنے علاقے میں اپنی خیرات اور عشر و زکوٰۃ سے سرانجام دوں لہذا آپ تشریف لے جا کر اپنے علاقے کے لوگوں کو اس خدمت پر آمادہ کرو، اور اگر وہ غریب ہیں تو ان کی غربت کی مناسبت سے کچے چبوترے کی مسجد اور مدرسہ پر کفایت کرو، تجھ پر شریعت نے اس سے زیادہ ذمہ داری عائد نہیں کی ہے۔ اس طرح دھوکہ باز گداگروں کی حوصلہ شکنی ہوگی اور امت کو تیار خوری کی لعنت سے بچانے میں مدد ملے گی۔

قصہ کوتاہ میں عرض کرنا چاہتا تھا کہ تبلیغی جماعت والے حضرات اپنی مدد آپ کے تحت دین اسلام کی ایک عظیم کام جس مسنون طریقے پر کر رہے ہیں۔ چاہیے کہ علماء کرام، مساجد، اسلامی مدارس وغیرہ دینی خدمات کی ادائیگی کے سلسلے میں تبلیغی بھائیوں کی نقل کریں، یعنی ہر علاقے

کے متعلقہ لوگوں کو دینی مدارس اور مساجد کی اہمیت اور ضرورت کی طرف متوجہ کریں اور وہاں کے لوگوں کی ضرورت اور قربانی دینے کے متعلق کام شروع کرے اور اگر خدا نخواستہ مقامی لوگ دین کے بارے میں خاطر خواہ قربانی نہیں کرتے ہیں یا غریب اور مفلس ہیں تو عالی شان مسجد بنانا، مدرسہ تعمیر کرنا، طلباء کی گونا گوں ضروریات مہیا کرنا، شریعت اسلامی نے نہ تو کسی عالم اور امام پر فرض کیا ہے اور نہ واجب و لازم ٹھہرایا ہے نہ سنت، پھر ایک غیر لازم کام کیلئے دور دراز علاقوں میں غیر متعلقہ لوگوں سے مسجدوں میں، بازاروں، گلی کوچوں میں جھولی پھیلا کر مانگنا کیوں ضروری ہوا؟ کیا تجربہ اور مشاہدہ گواہ نہیں ہے کہ اس عمل کے نتیجے میں علم اور اہل علم کی ناگفتہ بہ تحقیر اور توہین کے رجحانات مسلمانوں میں پھیلتے جا رہے ہیں؟

علماء کرام کے بارے میں ایک غلط فہمی کا ازالہ

میرے مذکورہ بیان کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ حقیقت میں علماء کرام، یا مہتممین مدارس، یا خطیبان مساجد ایک غیر اسلامی اور باعث توہین اسلام کے عمل میں (نعوذ باللہ) لگے ہوئے ہیں، آپ نے کہیں بھی نہیں دیکھا ہوگا کہ کسی مشہور و معروف دینی درس گاہ، اسلامی مدرسہ یا

جامع مسجد کاسفیر یا نمائندہ مسجدوں، بازاروں میں یا گھر گھر پیسے مانگتا پھرتا ہو چونکہ حقیقت حقیقت ہوتی ہے ”مشک آنست کہ خود بوید نہ کہ عطار بگوید“ کے مطابق مخیر حضرات خود جا کر مذکورہ دینی خدمات کی ادائیگی میں علماء کرام کی بھرپور مدد کرتے ہیں اور علماء کرام بھی علم کی لاج رکھتے ہوئے حکمت و بصیرت اور پوری خودداری کے ساتھ مذکورہ خدمات انجام دیتے ہیں۔ تاہم فریب کار لوگ بعض مدارس اور مساجد کے نام سے جعل سازی کرتے رہتے ہیں۔ نیز آج کل جو گھر گھر اسلامی مدرسہ بنانے کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے، جس کے متعلق میری ذاتی رائے اور تجربہ یہ ہے کہ یہ امر نیک شگون ہے اور ایسا ہونا بھی چاہئے، اس لیے کہ جب گھر گھر سرکاری سکول بننے لگیں، جس کے نتیجے میں نئی نسل میں بد اخلاقی اور دین سے بیزاری کی رجحانات کی وبا پھیلتی جا رہی ہے، نیز ہر گلی کوچے میں ٹیلی وژن اور وی سی آر جیسے گمراہ کن، حیا سوز اور ننگ انسانیت دام ابلیس بچھتے جا رہے ہیں، اس کی توڑ کے لئے مساجد اور اسلامی مدارس کا جال بچھانا وقت کی اہم ضرورت ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ ایسا کرنے کا بوجھ برداشت کرنے کے لئے مقامی لوگوں کو آمادہ کیا جائے اور اسی کے مطابق بالکل محدود اور ”اپنی مدد آپ“ کے تحت کام شروع

کیا جائے۔

عذر لنگ: رہا یہ سوال کہ اگر غریب علاقوں میں مساجد اور اسلامی مدارس کے قیام کے لئے دور دراز مالدار علاقوں کے مالدار لوگوں سے مانگ مانگ کر چندے جمع نہ کئے جائیں تو غریب علاقوں میں دین اسلام کی تعلیم ٹھپ ہو کر رہ جائے گا اور پڑھانے والے علماء کے اخراجات، تنخواہیں کہاں سے ادا کی جائیں گی، تو ان جیسے دلائل میں اتنا وزن نہیں ہے کہ اس کے پیش نظر سوال کرنے کا مذکورہ غیر اسلامی کام محمود بن جائے۔

اگر حضور علیہ السلام کھجور کے شاخوں سے ڈھکی ہوئی ایسی مسجد میں نماز پڑھتے پڑھاتے جس میں سے بارش کا پانی نیچے گرتا، اگر حضور علیہ السلام کے طلباء ایک چبوترے کے سایہ میں سکونت پذیر تھے، جن کی تعداد چار سو تک جا پہنچی تھی۔ باوجود اس کے آپ ﷺ نے دوسرے علاقوں سے عشر و زکوٰۃ جمع کر لانا منع کیا تھا (جیسے کہ عالمین کو حکم تھا کہ ہر علاقے کے عشر و زکوٰۃ اسی علاقے کے مستحقین پر صرف کی جائے) اگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ دین کی عظیم خدمت سرانجام دینے کے ساتھ اپنے اخراجات کسی کے کندھے پر نہیں ڈالتا تھا، بلکہ ”خز“ جیسے قیمتی کپڑے کا نہ صرف تجارت کرتا تھا، بلکہ اس کا کارخانہ قائم کیا تھا، جس کی آمدنی سے خود کھاتا اور طلباء کو کھلاتا تھا، اگر

ماضی قریب تک بڑے بڑے علماء کچھ مسجدوں کے دالانوں میں چٹائی پر بیٹھ کر ان غریب بستیوں میں بلا معاوضہ پڑھاتے تھے اور اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے تھے۔ اگر آج تبلیغی جماعت والے ان ہی غریب بستیوں کی کچھ مساجد میں بغیر معاوضہ دعوت و تبلیغ تعلیم کا کام جاری رکھے ہوئے ہیں، بلکہ ان غریب لوگوں سے بڑے بڑے جانی اور مالی قربانیاں اور خدمتیں لے رہے ہیں جس کے لئے کسی جگہ مانگ کر چندہ جمع کرنے کی مثال کوئی پیش نہیں کر سکتا ہے۔

تو وارثان انبیاء علیہم السلام پر کیا آن پڑی ہے کہ ایک غیر ضروری عمل کے لئے ایک ایسے غیر محمود طریقے کو اختیار کرتے ہیں جس سے عوام الناس میں علم اور علماء کا وقار بری طرح مجروح ہونا مشاہدہ سے ثابت ہے۔

خولیش واقارب پر زکوٰۃ و صدقات صرف کرنے کے

آداب

یہ مسئلہ تو ہر کسی کو معلوم ہے کہ عشر و زکوٰۃ، نذر و فطرانہ، اپنے والدین یا والدین کے والدین کو دینا جائز نہیں ہیں، خواہ وہ کتنے مسکین اور محتاج ہو، نیز اپنے اولاد اور اولاد کی اولاد کو بھی دینا جائز نہیں، نیز

خاوند اور بیوی ایک دوسرے کو نہیں دے سکتے ہیں، اسی طرح نفع و نقصان میں شریک افراد ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے ہیں، اس کے سوا دوسرے رشتہ دار جب مساکین ہو تو انہیں دینا جائز ہے بلکہ اولیٰ ہے، مگر چند شرائط کے ساتھ یہ اولویت مشروط ہوگی۔

(۱) انہیں زکوٰۃ وغیرہ دینے میں محض یہ جذبہ کارفرما ہو کہ

چونکہ اللہ اور رسول کا حکم یہ ہے کہ قریبی رشتہ داروں کے ساتھ اچھائی کا برتاؤ کرو، جس کی پہچان یہ ہوگی کہ وہ رشتہ دار خواہ تیرے ساتھ رشتہ داری نبھاتا ہو، تیری خدمت گزاری اور خوش آمد کرنا ہو یا تیری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتا ہو، بات بات پر تیری مخالف اور مقابلہ پر آتا ہو، دونوں حالتوں میں آپ کی مدد اور معاونت میں ذرہ برابر فرق نہیں آتا ہو، پھر تو سمجھ لو کہ تیرا دینا اللہ تعالیٰ اور رسول خدا کے احکام کی بجا آوری کے تحت رشتہ داری نبھانا ہے اور دینا افضل اور اولیٰ ہے۔ بصورت دیگر جو رشتہ دار بلا تنخواہ تیری خدمت اور حاضر باش نوکر کا فریضہ انجام دے رہا ہے اس پر تیری زکوٰۃ اور خیرات کی بارش ہے اور جو ایسا نہیں کرتا ہے، اس کے ساتھ سلام اور کلام گوارا نہیں کر سکتے اور نہ ہی اس سے لقمہ تر دیتے ہو، تو ایسا دینا رشتہ داری کے لئے نہیں، بلکہ خواہشات نفس اور معاوضہ کی صورت

- ہے جس کی افضلیت تو کیا قبولیت بھی مشکوک ہے۔
- (۲) وہ رشتہ دار تجھ سے عشر و زکوٰۃ اور صدقات حاصل کرنے کے لئے سوال نہ کرے، اگر سوال کرتا پھرے تو اس کو دینا افضل تو کیا بلکہ حرام اور باعث گناہ ہے جس کی تفصیل پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے۔
- (۳) وہ رشتہ دار فاسق و فاجر، بے نماز اور کبار گناہوں میں علانیہ مبتلا نہ ہو ورنہ ایسے شخص کی رشتہ داری نبھانا شرعاً اور عقلاً مذموم ہے۔
- (۴) وہ رشتہ دار صحیح اور تندرست ہوتے ہوئے تیار خور، آرام پرست اور کابل نہ ہو، اگر اس قسم کا ہو تو چاہئے کہ مال زکوٰۃ نقد صورت میں دینے کی بجائے اس کے لئے کسب اور معاش کے حصول کے ذرائع فراہم کرے، تاکہ وہ کسب شروع کر کے اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔ بصورت دیگر اسے زکوٰۃ وغیرہ دینے سے اس کی تیار خوری میں اعانت اور مدد کرنا ہے جس میں افضلیت کے لئے غیر افضل طریقے پر زکوٰۃ صرف کرنے کے مترادف ہوگا۔

هذا ما تيسر لي والله اعلم بالصواب

**Get more e-books from www.ketabton.com
Ketabton.com: The Digital Library**